جامعہ مدنیہ لاہور کا علمی، ادبی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

نگرانِ اعلیٰ :

حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ، لاہور

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ماهنامہ

انوارِ مدینہ

لاہور

فون : ۶۲۹۳۲

قیمت : ۵۰ پیسے

مدیرِ اعزازی : پروفیسر یوسف سلیم چشتی
مدیرِ معاون : حبیب الرحمٰن اشرف

جلد ۱ | ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ ○ فروری ۱۹۷۱ء | شمارہ ۹

مُرتّب

حبیب الرحمٰن اشرف

فاضل جامعہ مدنیہ، لاہور

بدل اشتراک : سالانہ ۵ روپے — طلبہ کے لیے ۴ روپے — ششماہی ۳ روپے

سید حامد میاں مہتمم جامعہ مدنیہ طابع وناشر نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ انوار مدینہ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پریشان کُن صُورتِ حال

وطنِ عزیز اس وقت اندرونی اور بیرونی خطرات سے دوچار ہے۔ ایک طرف پاکستان و ہندوستان کی سرحدوں پر دونوں ملکوں کی فوجیں ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہیں۔ دوسری جانب ملک کے رہنما ابھی تک آئین سازی کے مسئلہ پر کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکے ہیں۔ اس صورتِ حال سے عوام کو بے حد پریشانی و اضطراب لاحق ہے۔

پاکستان کے تمام رہنما بلا شبہ محب وطن اور نیک نیت ہیں لیکن بعض لیڈروں کا اپنے اپنے موقف پر اس طرح سے ڈٹ جانا کہ مفاہمت اور صفائی کی کوئی راہ نہ نکل سکے۔ کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے۔

یہ امر انتہائی رنجدہ ہے کہ آئے دن عوامی لیگ کے رہنما جناب شیخ مجیب الرحمٰن اور پیپلز پارٹی کے رہنما جناب ذوالفقار علی بھٹو کے بیانات خوش کُن اور امید افزا ہونے کے بجائے غایت درجہ پریشان و مایوس کن ہوتے جا رہے ہیں۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم سرحد پر بھارتی افواج کے اجتماع اور ان کے خطرناک ارادوں سے ہرگز خائف نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہر مسلمان کے لیے مرنا اور راہِ خدا میں جان دینا باعثِ مسرّت ہوا کرتا ہے۔ وطن کی حفاظت اور متکبرین و مفسدین کا سر کچلنا مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کا ہر مسلمان اس انتظار میں ہے کہ کب موقع میسّر آتا ہے کہ اِن اسلام دشمنوں اور فتنہ پردازوں کو

ان کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ حتّٰی لاتکون فتنہ۔

لیکن ہمارے آپس کے یہ اختلافات اور باہمی نزاع ہم سب کے لیے موجبِ تکلیف و اضطراب ہے۔ پاکستانی عوام اس وقت صرف مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے رہنماؤں کے اختلافات اور مسئلہ آئین سازی پر ان کے عدمِ اتفاق سے ہی پریشان و مضطرب ہیں۔ مسلمانوں کا باہمی اختلاف ہمیشہ ان کے لیے بے حد مضرت رساں ثابت ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ہے وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ۔ (اور آپس میں نہ جھگڑو۔ ورنہ بزدل ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی) بنابریں آپس کے تمام اختلافات کا خاتمہ بہت ہی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ پاکستان کے تمام رہنماؤں کو باہمی رنجشیں اور غلط فہمیاں دور کرنے، اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے کوشاں رہنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کو ہمیشہ ایک رکھے۔ اور جلد تر شرعی آئین کی برکتوں سے مملکتِ پاکستان کو مالا مال فرمائے۔

رَبّنا اٰتنا من لدنك رحمۃ۔ وھیئ لنا من امرنا رشدا۔

آمین

حبیب اللہ انور[?]
۲۳ ذی الحجہ ۹۰ھ

حضرت مہتمم صاحب مدظلہم کی سفرِ حج سے مراجعت

مطاعنا المحترم حضرت الحاج مولانا السیّد حامد میاں مدظلہم جو ۷؍فروری کو کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز حجازِ مقدس تشریف لے گئے تھے، ۱۷؍مارچ کو واپس کراچی تشریف لا رہے ہیں۔ جہاں سے آپ ۱۹ یا ۲۰؍مارچ کو لاہور تشریف لے آئیں گے، انشاءاللہ تعالیٰ

جامعہ مدنیہ میں ختم بُخاری کے مُبارک موقع پر

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہم مہتمم دار العلوم دیوبند کی

تقریرِ دلپذیر

علم کے لیے استناد ضروری ہے　○　لولا الاسناد لبطل الدین

مُستند عالم کی تکریم واجب ہے

قسط ۲ (آخری)

غور کرنا یہ ہے کہ آخر ختم پر کیوں خوشی منائی ہم نے؟ آپ کو بخاری پڑھنے کے بعد دو چیزیں حاصل ہوئیں۔ ایک متنِ حدیث اور ان کی مرادات۔ جو آپ کے اساتذہ نے آپ کو سمجھائیں۔ "کتاب الایمان" اور اس کی حدیثوں کے یہ مطالب ہیں۔ مرادات ہیں۔ کتاب العلم اور ان کی احادیث کا یہ مطلب ہے۔ یہ مفہومِ شرعی ہے۔ کتاب الطہارۃ۔ کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب الحج، اور پھر آگے معاملات اور کتاب الجہاد اور غزوات ان تمام چیزوں میں دو ہی باتیں ہیں۔ ایک متنِ حدیث۔ کہ وہ آپ تک پہنچا۔ اور آپ نے اس کے مفہوم اور معانی کو سمجھ لیا۔ اور دوسرا یہ کہ آپ کو سند ملی۔

آپ نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی مرے استاد سے، اسے پہنچی اس کے استاد سے، سلسلہ مل گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ تو گویا آپ کے قلب کا ایک رشتہ قلب نبوی سے قائم ہو گیا۔ اور ایک نورانی سلسلے سے کلام کے "لفظ" اور "معانی" آپ کے قلب تک آ گئے۔ تو "متنِ حدیث" کے ساتھ آپ کو "سند" بھی حاصل ہوئی۔ اور آپ "مستند" عالم بنے۔

تو محض عالم ہونا کافی نہیں ہے۔ مستند عالم ہونا ضروری ہے۔ کہ جس عالم کا بلا انقطاع سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہو جائے وہی ہے عالم۔

اگر آپ دیکھیں کہ سلسلہ بھی اس سے قطع ہو گیا۔ نہ اس نے تعلیم پائی کسی استاد سے، نہ اس نے سند حاصل کی۔ نہ اس نے تربیت حاصل کی۔ اور پھر کچھ کہہ رہا ہے۔ تو وہ قوتِ مطالعہ سے کہہ رہا ہے۔ اپنے "نفس" کو امام بنا کے کہہ رہا ہے کہ جو میرے نفس نے سمجھ لیا وہ میں کہہ رہا ہوں۔ ظاہر بات ہے کہ وہ مرادِ ربانی نہیں ہو سکتی۔ مرادِ نبوی نہیں ہو سکتی۔ اس کے نفس کی مراد ہے۔ اسلئے کہ لفظ" لیے اللہ اور رسول کے، اور مراد اور معانی اپنے ڈال دیئے۔ لفظ منقول لیے اور معنیٰ غیر منقول لیے۔ وہ معانی ہمیں مطلوب نہیں ہیں۔ ہمیں وہی معنیٰ مطلوب ہیں جو "سند" کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو کر ہم تک پہنچے۔

محدثین نے تو یہاں تک اس سند کے بارے میں اہتمام کیا ہے کہ "لفظ" اور "معنیٰ" ہی کو نقل نہیں کیا صرف۔ بلکہ ان ہیئتوں کو بھی نقل کیا ہے، جو حدیث کے پڑھنے میں اور سننے میں ان کے سامنے آئیں۔ استاد کی حالت و کیفیت کو بھی سند کے ساتھ نقل کیا۔ چنانچہ "مسلسلات" کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے رسالہ لکھا مستقل "الدر الثمین" اس میں فقط الفاظ کی رعایت نہیں۔ الفاظ ہی کی نقل و روایت نہیں، معانی کی نہیں، بلکہ "ہیئتوں" کی بھی ہے۔ ان "افعال" کی بھی سند ہے۔ کہ جو افعال کر کے دکھلائے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ جیسے کہ مثلاً حضرت انسؓ کی حدیث ہے۔ وہ فرماتے ہیں صافحت بکفی هٰذه کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم میں نے اپنی اس ہتھیلی سے مصافحہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے۔ اور اپنی ہتھیلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی پر رکھی۔ اور کہتے ہیں کہ فما مَسِسْتُ خَزًّا ولا حریرا الین من کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے جب اپنی ہتھیلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی پر رکھی تو میں نے کوئی ریشم کوئی ملائم سے ملائم چیز ایسی نہیں دیکھی۔ جیسی حضورؐ کی ہتھیلی مبارک نرم تھی۔ کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ریشم بھی کوئی چیز ہے کہ میرا ہاتھ پھسل جائے گا۔ اتنی پاکیزہ ہتھیلی تھی۔ تو میں نے اس کف سے مصافحہ کیا کفِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ تابعی کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی ہتھیلی پہ ہاتھ رکھوں، تاکہ اس سلسلہ سے بالواسطہ میری ہتھیلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی

پر رکھی جائے۔ ان تابعی سے تبع تابعی کہتے ہیں کہ مجھے آپ اجازت دیں کہ میں آپ سے مصافحہ کروں، اور دو واسطوں سے میری ہتھیلی رکھی جائے حضورؐ کی ہتھیلیٔ مبارک پر۔ اس طرح یہ حدیث چلی۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحؒ نے مجھ کو فرمایا کہ اس وقت میری سند اپنی جماعت میں سب سے زیادہ عالی ہے۔ یعنی کم واسطے ہیں مجھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تجھے سند دوں حدیث کی۔ مگر شرط یہ ہے کہ سہارنپور آکر حدیث کی اجازت لو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں حاضر ہوں گا۔ لڑکپن کی بات تھی بھول بھال گئے۔ ایک برس گذر گیا۔ اتفاق سے ایک سفر میں ساتھ ہوا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ تُو آیا نہیں۔ میں تجھے حدیث کی اجازت دیتا۔ میں نادم ہوا۔ میں نے کہا حضرت! اب حاضر ہوں گا۔ پھر ایک برس گذر گیا۔ وہ بھی لڑکپن کی بات تھی گذر گئی۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضرتِ مولانا ہجرت کر کے تشریف لے جا رہے ہیں مدینہ منورہ۔ اب فکر ہوئی کہ پھر یہ دولت ہاتھ سے نکل جائے گی۔ تو میں نے سہارنپور کا سفر کیا۔ اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے کہا حضرت! میں حاضر ہو گیا۔ بہت خوش ہوئے۔ مولانا زکریا صاحب سے فرمایا کہ مظاہر العلوم کے کتب خانہ میں جتنی کتابیں حدیث کی متداول ہیں سب لے آؤ۔ تو وہ "معاجم" اور "مسانید" اور صحاحِ ستہ سب لے آئے۔ صحاح ستہ بھی تھیں۔ معاجم بھی تھیں، مسانید بھی تھیں، ساری کتابیں جمع ہو گئیں۔ ہر ہر کتاب کا اول پڑھ کر حضرت نے مجھے حدیث کی اجازت دی۔ کچھ مجھ سے پڑھوایا۔ بعض کتابوں کی روایت خود نقل فرمائی، اور اجازت دی۔ اس کے بعد فرمایا۔ کہ بھائی مسلسلات کی اجازت بھی دے دونگا۔ تو مسلسل بالمصافحہ یہ جو حدیث ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی، اس کی اجازت دی مصافحہ کر کے۔ اور میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی رکھی۔ مصافحہ کیا، اور حدیث نقل کی، کہ یہ مصافحہ بھی مسلسل سند کے ساتھ حضورؐ تک جا پہنچتا ہے۔ تو ان واسطوں سے گویا تیری ہتھیلی رکھی گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر۔ اس کے بعد پھر دوسری حدیث کی بھی عملاً اجازت دی۔ اور وہ ہے "حدیث مسلسل بالماء والتمر" وہ حضرت علیؓ کی حدیث ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے آپ نے کھجور کی فضیلت بیان کی کہ جو ضیافت کرے۔

دعوت دے کھجور کی - اس کا یہ رتبہ ہوگا۔ لمبی حدیث ہے۔ اور اس کے بعد آپ نے کھجور کھائی اور کھا کر "اُکُش" کھلایا حضرتِ علی کو - اور پانی پیا - اور بچا ہُوا پانی پلایا حضرت علی کو۔ گویا دعوت کی کھجور کی اور پانی کی - اور دعوت کر کے پھر وُہ حدیث سنائی - کہ کھجور اور پانی کی دعوت کرنے میں کیا فضیلت ہے -

حضرت علی رضؓ نے اسی طرح اپنے شاگرد کو اجازت دی - کہ خود کھجور کھائی "اُکُش" اسے کھلایا - اور پانی پیا اور بچا ہُوا پانی پلایا - تابعی نے اپنے شاگرد تبع تابعی کو اسی طرح کھجور اور پانی کی دعوت دی۔ کھجور کھائی اور اُکُش کھلایا - پانی پیا - بچا ہُوا پلایا - اور حدیث پڑھی - یہ مسلسل عمل چلا آرہا ہے - تو حضرت مولانا خلیل احمد رحمتہ اللہ علیہ نے کھجور منگوائی اور پانی بھی منگوایا (زمزم کا پانی ملا) تو کھجور کھا کر "اُکُش" مجھے کھلایا - اور پانی پی کر بچا ہوا مجھے پلایا - اور حدیث نقل فرمائی - اور اس کی اجازت دی - تو عملاً دو حدیثوں کی اجازت دی - مسلسل بالماء والتمر، اور مسلسل بالمصافحہ - اور پھر روایۃً ساری مسلسلات کی اجازت دی کہ میں تمہیں حدیث کی اجازت دیتا ہوں کہ تو ان کو روایت کر سکتا ہے۔

تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ محدثین نے فقط "قولِ نبیؐ" نقل نہیں کیا۔ "معانی" بھی نقل کیے - اور قول اور معانی ہی نقل نہیں کیے بلکہ وہ ہیئتیں اور وُہ افعال بھی سند کے ساتھ پہنچائے ہم تک، کہ جو افعال پہنچتے آئے ہیں۔

معمولی سی بات ہے کہ مَیں نے مشکوٰۃ پڑھی اپنے والد ماجد سے - تو "نوحہ" کی حدیث آئی کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا۔ کہ جب کوئی بڑا آدمی مرجاتا تھا تو وُہ وصیت کر کے جاتا تھا کہ چھ مہینے تک رویا جائے مجھے، سال بھر تک رویا جائے - دو برس تک رویا جائے - اب ظاہر بات ہے کہ اگر بڑے دنوں تک وُہ آنکھیں میں آنسو لے کر بیٹھ جائے - تو یہ اس سے ہو نہیں سکتا - اور نہ روئے تو لوگ کہیں گے کہ بھئی کوئی بڑا آدمی نہیں تھا - معمولی تھا مر گیا - لہذا چھ مہینے روؤ تا کہ معلوم ہو کہ کوئی بڑا آدمی گذرا ہے - مگر اب چھ مہینے تک کون روئے ؟ تو رونے والیاں کرایہ پہ رکھی جاتی تھیں کہ وہ چھ مہینے تک بیٹھ کر روئیں - اور وہ عورتیں ہی رکھی جاتی تھیں اس لیے کہ آنسو بہانا انہیں آسانی سے آتا ہے بس ارادہ کیا اور ٹپ، ٹپ آنسو ٹپکنے شروع ہو گئے - تو رونے اور رُلانے کے لیے عورتوں سے بہتر

دوسرا کرایہ دار نہیں مل سکتا تھا۔ تو عورتوں کو کرایے پر رکھتے تھے۔ اجرت بھی نہیں دی جاتی تھی۔ کھانا۔ کپڑا بھی کہ وہ چھ مہینے روئیں۔ اور طریقہ کیا تھا ان کا؟ گھر میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ کھا پی رہی ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی تعزیت کے لیے آیا۔ بس وہ فوراً گھیرا بنا کر بیٹھ گئیں۔ اور انہوں نے "راں راں" کر کے رونا شروع کیا۔ وا اکنداہ۔ واجبلاہ۔ واشمساہ تُو تو پہاڑ تھا۔ تُو تو آفتاب تھا۔ تو چاند تھا۔ اور وہ پوری لَے کے ساتھ گا گا کر اس رونے کو روتی تھیں۔ یہ حدیث آئی تو میرے والد صاحبؒ نے حدیث پڑھ کے اور کچھ "راں راں" کر کے دکھلایا کہ یوں روتی تھیں۔ تو ہمیں حیرت ہوئی کہ اس کی کیا ضرورت تھی۔ بس فرما دیا تھا انہوں نے کہ رویا کرتی تھیں یہی کافی تھا۔ یہ راں راں کر کے رونے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر خود ہی فرمایا کہ تمہارے ذہنوں میں سوال پیدا ہوا ہو گا کہ یہ میں نے راں راں کیوں کر کے دکھلایا۔ فرمایا اس لیے کہ جب مولانا گنگوہیؒ سے میں نے حدیث پڑھی، تو انہوں نے یونہی راں راں کر کے دکھلایا تھا۔ اور مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جب میں نے شاہ عبد الغنیؒ سے حدیث پڑھی تو اس حدیث پر انہوں نے بھی یوں ہی راں راں کر کے دکھلایا تھا۔ اور شاہ عبد الغنیؒ نے کہا کہ جب میں نے شاہ اسحاق صاحبؒ سے حدیث پڑھی تو انہوں نے بھی یہی کر کے دکھلایا تھا۔ اور شاہ اسحٰقؒ کہتے ہیں کہ جب میں نے شاہ عبد العزیزؒ سے حدیث پڑھی تو انہوں نے بھی یہی کر کے دکھلایا۔ اور وہ کہتے ہیں۔ کہ جب میں نے شاہ ولی اللہ سے حدیث پڑھی۔ انہوں نے بھی یہی کر کے دکھلایا۔ اور شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں کہ شیخ ابو طاہر مدنیؒ سے جب میں نے حدیث پڑھی انہوں نے بھی یونہی کر کے دکھلایا۔ اور صحابی تک سند پہنچا دی۔ اس راں راں کرنے کی۔

تو محدثین نے اتنی احتیاط برتی ہے کہ نہ صرف یہ کہ نبیؐ کے لفظ نقل کیے۔ نہ یہ کہ صرف معانی نقل کیے بلکہ ہیئتیں بھی نقل کیں۔ بلکہ وہ عوارض اور احوال بھی سند کے ساتھ پہنچائے۔ تاکہ معلوم ہو کہ پورے وثوق کے ساتھ انہیں حدیث آئی ہے۔ اور حدیث سنی ہے۔

اب جس شخص کے پاس سند نہ ہو۔ محض ترجمے دیکھ کر وہ بیان کرے۔ حدیث وہ قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ وہ مستند عالم نہیں ہے۔ اسے عالم نہیں کہیں گے۔ زیادہ سے زیادہ ناقل کہہ دیں گے۔

اگر صحیح نقل کی، کہیں گے، صحیح نقل کر دی۔ غلط کی، کہیں گے غلط کی۔ لیکن عالم کہہ دیں! یہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ علم کے لیے استناد لازمی ہے۔ بغیر استناد کے علم، علم نہیں ہوتا۔

عقلی علوم میں استناد کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ آپ فلسفہ میں صدرا پڑھ کر یوں کہیں کہ حدثنا فلان قال حدثنا فلاں قال حدثنا ارسطو افلاطون۔ وہاں ضرورت نہیں۔ اس واسطے کہ وہ عقلی چیزیں ہیں۔ ہمیں بھی عقل ہے۔ انہیں بھی عقل تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی عقلی باتوں میں غلطی کر گئے ہوں۔ ہم کہیں گے غلط کام ہوا۔ ہماری عقل میں یہ چیز آتی ہے۔ تو ہر شخص کو عقل دی گئی ہے۔ دوسرے کی عقل اس کیلئے حجت نہیں۔ وہ تخطیہ کر سکتا ہے۔ لیکن نقل و روائت کی چیزیں! تو پابند ہونا پڑے گا۔ استاد نے کلام رسولؐ یہ نقل کیا وہ کہے گا میرے استاد نے یہ نقل کیا۔ پھر وہ کہے گا کہ میرے استاد نے۔ یہاں تک کہ صاحبِ شریعت تک سند پہنچ جائے گی۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا۔ اور نبی کریمؐ جو کچھ فرماتے ہیں وہ "وحی" سے ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ اللہ نے مجھ سے یہ فرمایا۔ تو ہماری سند متصل حق تعالیٰ تک پہنچ جائے گی۔ اگر بیچ میں ایک کڑی بھی ختم ہو گئی علم مستند باقی نہیں رہے گا۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ نہ اسے عالم مستند کہیں گے۔ بالکل ایسی مثال ہے اس کی، جیسے مادی وراثت میں۔ جب تک باپ سے نسبت ثابت نہ ہو آپ وارث کیسے بنائیں گے! آپ پہلے یہ ثابت کریں گے کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے۔ تو جو اس کا ترکہ ہوگا وہ اس کو ملے گا۔ اور اگر یہ ثابت نہ کر سکے آپ۔ اور لوگوں نے کہا جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ اس باپ کے بیٹے نہیں۔ معلوم نہیں کون ہے ان کا باپ۔ یہ تو فرضی طور پر کھڑے ہو گئے۔ وراثت نہیں مل سکتی۔ تو وراثت کے لیے نسب کا ہونا ضروری ہے سلسلۂ نسب ہو باپ سے تو کہا جائیگا کہ وارث ہے۔ ٹھیک اسی طرح سے انبیاء کی وراثت "علم" ہے۔ اس وراثت کا وارث بھی وہ بنے گا، جسکا سلسلۂ نسب روحانی طور پہ ملا ہوا ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ تو وہاں مادی نسب ضروری ہے یہاں روحانی نسب ضروری ہے۔ وہاں بغیر مادی نسب کے وراثت نہیں ملتی۔ یہاں بغیر روحانی نسب کے علمی وراثت نہیں ملے گی۔

تو ہم اس "علم" کو "علم" کہتے ہیں، جو وراثت سے پہنچا ہو نبی کریمؐ کی۔ جس علم کا ہماری عقل

نے اختراع کر لیا ہو۔ سنی سنائی باتیں ہم کہہ رہے ہوں، یا کسی ترجمہ میں دیکھ کر کہہ دیں تو وہ مستند نہیں سمجھی جائیں گی۔ ایسے کو علم نہیں کہا جائے گا۔ عالم کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وُہ مستند ہو۔ کن اساتذہ سے اس نے علم حاصل کیا ہے۔ کہاں اس کا سلسلہ نسب پہنچتا ہے علم میں؟ اگر نہیں پہنچتا، تو ہم کہیں گے بھئی یہ تو بے باپ کا بیٹا ہے۔ اور بے باپ کا بیٹا جو ہے وُہ وراثت کا مستحق ہوتا نہیں۔

تو بہر حال سب سے بڑی چیز ہے "استناد" اور "سند"۔ اسی واسطے محدثین کہتے ہیں لولا الاسناد لبطل الدین - اگر اسناد نہ ہو دین میں تو دین ہی باطل ہو جائے۔ لقال ما شاء من شاء۔ جس کا جو جی چاہے گا کہہ مارے گا۔ اور کہے گا یہ ہے دین کی بات۔ ہر ایک کو حق ہو گا۔ لیکن جب ہم پوچھیں گے سند کیا ہے؟ تم کس کے شاگرد ہو، وُہ کس کے شاگرد ہیں؟ وہ کس کے؟ استناد جب تک نہیں پیش کرے گا، اس کے "علم" کو ہم "علم" نہیں کہیں گے۔ تو "علم" میں سب سے بڑی چیز ہے "سند"۔ آپ کے لیے سب سے بڑی گویا قابل مبارکباد چیز یہ ہے بخاری ختم ہوئی یعنی سند حاصل ہوئی آپ کو۔ اللہ کے رسولؐ تک آپ کا نسب نامہ مل گیا جا کر، روحانی۔ کہ آپ وہی کہہ رہے ہیں، جو اللہ کے رسولؐ نے کہا تھا۔ اور وہی باتیں سمجھا رہے ہیں کہ جو اللہ کے رسولؐ نے اپنے صحابہؓ کو سمجھائی تھیں۔ صحابہؓ نے تابعین کو۔ تابعین نے تبع تابعین کو۔ تو ایک "متن" حاصل ہوا۔ کہ جس سے علم کا دروازہ کھلا۔ ایک "سند" حاصل ہوئی جس سے آپ کا علم "مستند" بنا اور حجت بنا دوسروں کے لیے۔ بغیر سند کے وُہ حجت نہ ہوتا۔ تو محدثین نے اس لیے سند ضروری قرار دی ہے۔

اور اس میں بھی ایک درجہ یہ رکھا ہے کہ اس شخص کی، اس راوی کی روایت زیادہ وقیع ہے جو کثیر الملازمت ہو اپنے شیخ سے۔ ایک راوی تو وُہ ہے کہ استاد کی زیارت ہوئی۔ ملاقات ہوئی ایک حدیث نقل کی۔ سند مل گئی۔ اور ایک وہ ہے کہ برس دو برس شیخ کی خدمت میں رہ کر اس نے فن حاصل کیا۔ ظاہر بات ہے کہ جو برس دو برس رہے گا اپنے شیخ کی خدمت میں اسے "قول" اور "فعل" ہی حاصل نہیں ہو گا۔ اس کے قلب کا وہ رنگ بھی ملے گا اسے، جو استاد کے قلب کا رنگ ہے۔ وُہ انصباغ بھی پیدا ہو گا۔ وہ کیفیاتؐ بھی منتقل ہوں گی، اس تک، کہ جو استاد کے قلب میں اوپر سے منتقل ہوتی

آرہی ہیں - اس لیے جو راوی "کثیر الملازمت" ہے، "کثیر الصحبت" ہے، اس کی روایت کا جو وقار ہوگا۔ وہ اس راوی کی روایت کا نہیں ہوگا جس کی چند گھنٹے ملاقات ہوئی۔ حدیث سن کے چلا آیا۔ "سند" ٹھیک ہے۔ مگر سند کے ساتھ وہ کیفیات منتقل نہیں ہوں گی، جو استاد کے قلب میں تھیں کیفیات۔ اور وہ اصل چیز ہیں۔ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ۔ اللہ کا رنگ سب رنگوں پر غالب ہے۔ وہ رنگ ڈالا اللہ نے اپنے نبیؐ کے قلب میں۔ نبیؐ نے اپنے فیضِ صحبت سے وہ رنگ ڈالا صحابہؓ کے قلوب میں۔ صحابہؓ نے اپنے فیضِ صحبت سے وہ رنگ ڈالا تابعین کے قلوب میں۔ انہوں نے تبع تابعین کے۔ وہ کیفیات۔ وہ قلب کی صفائی اور جِلاء اور وہ ذوق اور وجدان کا رنگ وہ بھی درحقیقت منقول ہوتا ہوا چلا آرہا ہے۔ ہم اسی کو صحیح مانیں گے کہ جو منقول ہوا اُوپر سے۔ یعنی اپنے ذوق کا بھی علاج کرائیں گے اپنے استاد سے۔ کہ ذوق ہمارا صحیح ہو جائے۔ اپنے وجدان کو بھی پیش کریں گے استاد کے آگے۔ کہ ہمارا وجدان صحیح ہے یا غلط؟ تو ذوق بھی وہی ہونا چاہیئے جو اللہ کے رسولؐ کا ہے۔ وجدان کا رنگ بھی وہی ہونا چاہیئے جو اللہ کے رسولؐ کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کے کچھ فرائض قرآن میں ذکر کیے ہیں۔ وہ چار فریضے ہیں -

یتلوا علیھم اٰیٰتہٖ پہلا کام یہ ہے کہ آپ تلاوت کرتے ہیں آیات کی۔ الفاظِ خداوندی پوری امانت سے پہنچا دئے امت کو۔ اس کے بعد ہے یعلمھم الکتٰب تعلیم دیتے ہیں کتاب کی۔ اور وہ معانی کا سمجھانا ہے۔ مراداتِ ربانی کا ذکر کرنا ہے۔ اس کے بعد فرمایا والحکمۃ حکمت بھی سکھلاتے ہیں۔ حکمت کی دو قسمیں ہیں ایک حکمتِ نظری اور ایک حکمتِ عملی۔ حکمتِ نظری تو آ گئی تعلیم کے اندر باقی رہ جاتی ہے حکمتِ عملی۔ تو بلاغت کے قاعدے سے اگر ایک لفظ کے اندر دو معنی ہوں اور ایک آجائیں پہلے لفظ میں تو متعین ہو جاتا ہے کہ دوسرے لفظ کے یہ دوسرے معنیٰ ہیں۔ تو حکمت نظری تعلیم میں آگئی۔ تو الحکمۃ میں حکمتِ عملی مراد ہو گی۔ حکمتِ عملی سے مراد کہ حضورؐ نمونہ عمل بھی دکھلاتے ہیں کر کے بھی دکھلاتے ہیں کہ یہ عمل اس طرح کرو۔ تو لفظوں میں تعبیرات پہنچائیں معنیٰ میں مرادات سمجھائیں حکمت میں عمل کر کے دکھلایا کہ اس نمونہ کا عمل پیش کرو۔ اور چوتھا فریضہ ذکر کیا ویزکیھم کہ آپ

دلوں کو مانجھتے بھی ہیں۔ یہ وہی ذوق اور وجدان کا صحیح کرنا ہے۔ کہ قلوب میں سے زیغ نکل جائے۔ ٹیڑھ نکل جائے۔ کجی نکل جائے۔ استقامت پیدا ہو۔ اور فہم میں اتنی سلامتی آجائے کہ جو چیز بیان کی جائے اللہ اور رسول کی' وُہ قطعاً دل کے اندر اترتی ہوئی چلی جائے۔ ٹیڑھ باقی نہ رہے۔

توسلامتیٔ قلب، ذوقِ صحیح، وجدانِ صحیح یہ تربیت سے حاصل ہوتا ہے۔ توصحابہؓ کے ساتھ آپ نے محنت کی: تاکہ ان کا ذوق درست کردیں۔ ان کا وجدان درست کردیں۔ زیغ باقی نہ رہے۔ اس لئے کہ اگر دل میں کجی رہ جاتی ہے تو دل کی کجی کے ہوتے ہوئے جو آیت بھی سامنے آئے گی۔ اس کے معنٰی وہی سمجھے گا جو اُلٹے معنٰی ہوں۔ اگر معاذ اللہ کسی کے دل میں نصرانیت کا نزغہ گھسا ہوا ہو اور وہ نصرانیت کا ذوق لے کر قرآن کو پڑھے گا تو اسے ہر آیت سے نصرانیت ٹپکتی ہوئی معلوم ہوگی۔ اگر یہودیت کا ذوق لے کر پڑھے گا تو سارے قرآن سے اسے یہودیت ٹپکتی ہوئی معلوم ہوگی۔ اگر قادیانیت کا ذوق لے کر آئیگا تو پورے قرآن سے قادیانیت ٹپکتی ہوئی نظر آئے گی۔ اس واسطے کہ قرآن کے جملے ہیں ذی وجوہ اور بلیغ۔ کئی کئی معنٰی پر ڈھل سکتے ہیں۔ یہ استاد اور مربی سمجھائیگا کہ یہ مراد ہے اور یہ مراد نہیں۔ اگر تربیت نہ ہو تو کئی کئی معنٰی میں سے آدمی اپنے نفس کے مطابق جو معنٰی سمجھے گا اختیار کرلے گا۔ وُہ مرادِ نبوت نہیں ہوگی۔ وُہ اس کے نفس کی مراد ہوگی۔ اسلئے ذوق کو درست کرنا ضروری ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف قرآن پیش کیا۔ ایک طرف دلوں کو مانجھ کر کلامِ رسول سے اس کی تشریح کی۔ تو علماً و عملاً و ذوقاً صحابہؓ وہی چیز سمجھ گئے جو آپ کو سمجھانی تھی۔ اگر ذوق صحیح نہ ہو۔ سنت سامنے نہ ہو۔ تو مراداتِ ربانی سمجھنے کی کوئی صورت نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو جب خوارج سے مناظرہ کرنے کے لئے بھیجا تو ایک وصیّت کی۔ فرمایا کہ دیکھو خوارج کے سامنے قرآن سے دلیل مت پیش کرنا۔ سنت سے دلیل پیش کرنا۔ تو ابن عباسؓ نے عرض کیا کہ یا حضرت! قرآن کے بارے میں حضورؐ نے مجھے دعاء دی ہے۔ اور اللہ نے مجھے قرآن کا علم عطا فرمایا ہے۔ اور قرآن ہی میرا موضوع ہے۔ اور اسی سے آپ روک رہے ہیں۔ کہ دلیل قرآن سے نہ پیش کروں۔ سنت سے پیش کروں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا کہ قرآن کے جملے بلیغ ہیں، ذی وجوہ ہیں۔ کئی کئی معنٰی پر ڈھل سکتے ہیں۔ تم آیت پڑھ کر ایک معنٰی سے استدلال کروگے۔ مخالف اسی آیت کو دوسرے معنٰی پہ ڈھال کر اپنی دلیل پیش کریگا۔ عوام یہ کہیں گے کہ

یہ بھی قرآن پڑھ رہا ہے وہ بھی قرآن پڑھ رہا ہے۔ حق واضح نہیں ہوگا۔ لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پیش کر دیا۔ اس میں دو معنی نہیں ہو سکتے۔ اس سے چیز متعین ہو جائے گی۔ اس واسطے ضرورت ہے کہ سنت سے استدلال ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ قرآن سے من مانی مرادیں نکالنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ وہ حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ بلا کہاں سے مسلط ہو گئی۔ اس سے تو ہم مجبور ہو گئے۔ وہی معنی لینے پر کہ جو اللہ کی طرف سے منقول ہوتے آرہے ہیں۔ اور ہمیں دخل دینے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ وہ انکار کر کے حدیث کو ہٹاتے ہیں بیچ سے تاکہ آزادی حاصل کریں۔ اور جو ان کے نفس میں اور ان کی عقل میں اختراعی چیزیں آئیں ٹھونک دیں۔ انہیں قرآن کی طرف۔ ظاہر ہے کہ اس طرح سے وہ قرآن کی مراد نہیں ہوگی وہ ان کے نفس کی مراد ہوگی۔ اس واسطے کہ قرآن کی مراد سمجھانے میں لب ولہجہ کا بھی دخل ہے۔ کلام کی خصوصیات کا بھی دخل ہے۔ ماحول کا بھی دخل ہے۔ جب ساری چیزیں قطع ہو جائیں گی تو مراد متعین کیسے ہوگی۔ میں مثال دیا کرتا ہوں کہ ہماری اردو کا ایک جملہ ہے "کیا بات ہے" اس کے کئی معنی آتے ہیں۔ اور لب ولہجہ سے معنی بدل جاتے ہیں۔ اگر میں یوں کہوں کیا بات ہے؟ تو آپ سمجھیں گے کہ میں سوال کر رہا ہوں۔ کہ بھئی کیا معاملہ ہے، کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ اور اگر میں لہجہ بدل کے یوں کہوں کیا بات ہے۔ اب کیا سمجھے آپ؟ اب قطعاً سوال نہیں سمجھے آپ۔ بلکہ آپ سمجھے کہ میں کسی شئی کی بڑائی بیان کر رہا ہوں۔ کہ فلاں چیز کی کیا بات ہے وہ تو بہت ہی بڑی ہے۔ اور اگر میں لہجہ بدل دوں اور یوں کہوں "کیا بات ہے" اب کیا سمجھے آپ ہے۔ اب نہ بڑائی سمجھے نہ سوال سمجھے۔ بلکہ تحقیر سمجھے کہ میں نے کسی شئی کی حقارت بیان کی۔ اور اگر پھر لہجہ بدل کے اسی جملہ کو یوں ادا کر دوں "کیا بات ہے" اب آپ سب یہ سمجھے کہ میں نے تعجب کا اظہار کیا ہے۔ نہ بڑائی بیان کی۔ نہ تحقیر بیان کی۔ نہ استفہام وسوال ہے۔

تو ایک ہی جملہ ہے "کیا بات ہے" اور چند معنی ہیں اس کے۔ اور سب معانی لب ولہجہ سے متعین ہوتے ہیں۔ فرض کیجئے آپ اگر یہ جملہ کسی کو خط میں لکھ کے بھیج دیں۔ تو لب ولہجہ تو خط میں آئے گا نہیں۔ تو وہ اس جملہ "کیا بات ہے" سے وہ معنی سمجھے گا جو خیال اس کے نفس پر غالب ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ آپ کی مراد نہیں ہوگی اس کی اپنی مراد ہوگی۔ لیکن اگر آپ بالمشافہ، سامنے بٹھلا کر، لب ولہجہ سے سمجھائیں گے تو مخاطب وہی معنی سمجھے گا جو آپ کی مراد ہے۔ لیکن خط میں لکھ کے بھیجیں گے اگر۔ تو وہ وہی معنی سمجھے گا جو کیفیت اس کے نفس پر غالب ہوگی۔ گویا وہ

اس جملہ سے جو معنیٰ سمجھے گا وُہ اس کی اپنی مراد ہوگی۔ وُہ لکھنے والے کی مراد نہیں ہوگی۔

ٹھیک اسی طرح قرآن حکیم اور حدیث نبوی کو سمجھ لیں۔ بہت سے معنیٰ ہوتے ہیں جو لب ولہجہ سے متعین ہوتے ہیں۔ بہت سے معنیٰ ہیں جو ماحول سے متعین ہوتے ہیں۔ بہت سے معنیٰ ہیں جو اسباب نزول سے متعین ہوتے ہیں۔ اگر ان سب امور کو قطع کر کے محض لفظ سامنے رکھا گیا۔ تو ہر شخص اس سے وہی چیز سمجھے گا جو کیفیت اس کے نفس پر غالب ہوگی۔ اور ایسا کرنے سے بہت سے نقصان وجود میں آجائیں گے۔ بہت سے بدبخت ایسے بھی ہیں جو تلبیس کر کے دنیا کو دھوکا دیں گے کہ یہ اللہ اور رسول کی مراد ہے۔ حالانکہ یہ اللہ اور رسول کی مراد نہیں اس کی اپنی مراد ہے۔ لفظ اللہ کے لئے معنیٰ اپنے بھر دیئے۔ لیکن اگر سند آگئی، بیان رسول آگیا۔ وراثتی معنیٰ آگئے کہ جو منقول ہیں صحابہ سے اور حضور سے۔ اور مع کیفیات کے بیان کئے۔ تو متعین ہوجائے گی شئے۔ اور ایسی صورت میں کسی کو مجال نہیں ہوگی دخل دینے کا۔ تو جو بھی چاہے گا کہ میں قرآن میں من مانی مرادات کو داخل کردوں۔ وہ حدیث سے انکار کریگا کلامِ سلف سے انکار کرے گا۔ وہ ان کے مفہوم کی حجیت کا انکار کرے گا۔ تاکہ اس کی حجیت قائم ہو دنیا کے اندر۔

ہم کہتے ہیں کہ دین وُہ ہے جو سلسلے وار مرتب، مسلسل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر مل جائے۔ لفظ بھی۔ اور معنیٰ بھی۔ اور کیفیت بھی اور حال بھی۔ اور عوارض اور واقعات بھی۔ اور احوال بھی۔ تو آج وہ طلبا کہ جنہوں نے بخاری شریف ختم کی ہے قابلِ مبارکباد ہیں۔ پہلی بات قابلِ مبارکباد یہ ہے کہ انہیں متون حاصل ہوئے۔ سات ہزار کے قریب، جو اللہ کے رسول کا کلام ہے۔ اور کلامِ رسول کی عظمت وہی ہے جو رسول کی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ جیسے اللہ تک بندہ، نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ رسول کا واسطہ بیچ میں نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ نورِ مطلق ہے۔ اور بندہ ظلمتِ محض ہے۔ نور ظلمت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ تو ایک برزخی مخلوق اللہ نے پیدا فرمائی کہ وہ بشر بھی ہیں۔ مگر اتنے کامل بشر، کہ لطافتوں میں اللہ سے واصل ہیں، وُہ انبیاء ہیں۔ تو بندوں کے خدا تک پہنچنے کے لئے نبی واسطہ ہیں نبی نہ ہو تو بندے کا پہنچنا ممکن نہیں۔

اسی طرح اللہ کا کلام اتنی عظمت اور اتنی جلالت میں ہے کہ بندے کا فہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ تو کلامِ رسول بیچ میں برزخ ہے۔ کہ اس کے واسطے سے ہم کلامِ خداوندی تک پہنچیں گے۔ اگر کوئی کلام رسول کا واسطہ بیچ سے نکالے اور چھلانگ مار کے چاہے کہ اللہ کے کلام تک پہنچ جائے تو وہ نیچے آپڑیگا

اور وہاں تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس لئے کہ وہ کلام بہت اونچائی پر ہے۔

تو جیسے ذاتِ خداوندی تک پہنچنا بغیر ذواتِ رسل کے ممکن نہیں، ایسے ہی کلامِ ربانی کے حقائق تک پہنچنا بغیر کلامِ نبوی کے ممکن نہیں۔ ورنہ پھر نبی کو بھیجنے کی ضرورت کیا تھی؟ قرآن شریف لکھ کر حضرت جبرائیل علیہ السلام بیت اللہ کی چھت پر رکھ دیتے اور ایک آواز لگا دیتے کہ اے لوگو! تم سب مریضانِ نفوس ہو اور یہ نسخۂ شفاء ہے۔ اسے لیجاؤ اور اپنا اپنا علاج خود کر لیا کرو۔ پیغمبر کے آنے کی ضرورت کیا تھی۔ مگر بھیجا گیا پیغمبر۔

جیسے محض طب کی کتابوں کا مطالعہ کر کے نہ علاج اپنا کر سکتا ہے نہ غیر کا کر سکتا ہے کیونکہ کتاب میں تو اصول بیان ہوں گے۔ لیکن نبض پہچان کر۔ کہ فلاں کو کیا روگ ہے۔ فلاں کا مزاج کیسا ہے۔ تو اس کے لئے تجربہ اور تربیت کی ضرورت ہے۔ اور یہ کتاب کے اوراق تو تربیت کرتے نہیں۔ تربیت کرنیوالی تو شخصیتیں ہوتی ہیں۔ تو اگر شخصیتوں سے قطع نظر کر لی جائے اور محض کتاب کے اوراق رہ جائیں تو کالے کالے نقوش تو سامنے آئیں گے۔ تربیت اور کیفیات سامنے نہ آئیں گی۔ اسی لئے اللہ کے کلام تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کلامِ رسول کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر پہنچ نہیں سکتے ہم۔

تو آج خوشی کا مقام ہے کہ کلامِ رسول آپ تک پہنچا۔ اور بڑی خوشی ہے کہ سند کے ساتھ پہنچا۔ محض قوتِ مطالعہ سے، یا کتب بینی سے، یا اختراعِ نفس سے نہیں پہنچا۔ کہ اس میں نفس کا بھی دخل ہوتا۔ شیطان کا بھی دخل ہوتا۔ خوشی ہے کہ سندِ متصل کے ساتھ پہنچا۔ اور سلسلہ جڑ گیا اللہ کے رسول کے ساتھ۔

تو وہ طلبہ خوش نصیب ہیں کہ جنہیں آج نسبت حاصل ہو گئی نبی کریم سے، اور ان کا قلب گویا واصل ہو گیا قلبِ نبوت سے بواسطۂ کلامِ نبوت۔

سب سے بڑی عظمت اس امت کی یہ ہے کہ اس امت میں اللہ کا کلام مستند طریق پر موجود ہے۔ آج قرآن کے بارے میں اگر کوئی دعویٰ کرے کہ اس کی سند کیا ہے تو امت کے علماء تو اپنی جگہ ہیں میں یہ کہوں گا کہ میری سند حق تعالیٰ سے متصل ہے۔ مجھے یہ قرآن حفظ کرایا میرے استاد قاری عبدالوحید خاں صاحب نے۔ ان کو حفظ کرایا اور قراءت سکھلائی قاری عبدالرحمٰن صاحب نے، انہیں حفظ کرایا اور قراءت سکھلائی قاری

عبد اللہ مکی نے۔ انہیں سکھلائی شیخ ابراہیم نے۔ اور سلسلہ پہنچ جائیگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کہ ان کو سکھلایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اور نبی کریمؐ کے سامنے پڑھا حضرت جبرئیلؑ نے۔ اور جبرئیل کے سامنے کلام کا تکلم فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے۔ تو سند ایک حافظ کی پہنچ جاتی ہے حق تعالیٰ سے۔

دنیا میں آج کونسی کتاب ہے جو سندِ متصل کے ساتھ اللہ تعالیٰ تک پہنچے۔ جس کے بارے میں دعویٰ کیا جارہا ہو کہ یہ الہامی کتاب ہے۔ تورات یا انجیل ہے۔ یا زبور ہے۔ کسی کی سند نہیں ہے۔ بس ایک ہی سند ہے کہ انّا وجدنا اٰباءنا علیٰ امة وانا علیٰ اٰثارهم لمهتدون، باپ دادا کو یونہی کہتے سنتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے۔ تو یہ کوئی سند نہیں ہے کہ باپ دادا سے یوں سنتے چلے آئے ہیں۔ ممکن ہے باپ دادا نے غلطی کی ہو۔ جب تک سند سامنے نہ ہو غلطی کا امکان ہے۔ لیکن اگر سند سامنے ہے تو غلطی کا امکان نہیں ہے۔ اور مسلمانوں نے یہی نہیں کیا کہ سند لے لی۔ نہیں۔ بلکہ راویانِ حدیث کے لئے ایک مستقل فن ایجاد کیا۔ اور ایسے پچاس ہزار آدمیوں کی سوانح عمریاں مرتب کیں۔ جو حدیث کی روایت کرنے والے ہیں۔ ان کے نسبت نامے کیا تھے؟ ان کا کیریکٹر کیا تھا؟ ان کا کردار کیا تھا؟ ان کا حافظہ کیسا تھا؟ ان کا عدل و انصاف کیسا تھا؟ ان کے قلب کے اخلاق کیسے تھے؟ پچاس ہزار آدمیوں کی سوانح عمریاں فنِ اسماء الرجال مرتب کر دیں۔ تو وہ کسوٹی ہے کہ دیکھ کر معلوم کرلیں کہ یہ راوی ہیں جن کے واسطے سے کتابِ مبین ہم تک پہنچی ہے۔ اور یہ راوی ہیں جن کے واسطے سے کلامِ رسول ہم تک پہنچا ہے۔

تو مسلمان اگر اللہ کا کلام اور اللہ کے رسول کا کلام لئے بیٹھے ہیں تو اس بھروسے پر نہیں کہ باپ دادا سے یوں سنتے چلے آرہے ہیں۔ اولو کان اٰباءهم لا یعقلون شیئا ولا یهتدون

چاہے باپ دادا نے غلطی کی ہو۔ چاہے عقل نہ لڑائی ہو۔ پھر بھی تم یہی کہو گے کہ باپ دادا سے سنتے چلے آئے ہیں۔ یہ تو کوئی سند کی بات نہیں بلکہ یہ تو افواہ ہے۔ افواہ کوئی چیز معتبر نہیں ہو سکتی۔ سند یہ ہے کہ میں نے فلاں سے پڑھا اور اس نے فلاں سے پڑھا۔ اور اسی طور پر اس کی انتہا ہو جائے جا کے اللہ کے رسول تک۔

تو ایک ایک حدیث کی سند موجود ہے مسلمانوں کے پاس۔ چھوٹا جملہ بھی اگر پڑھیں گے تو سند پہنچائیں گے اللہ کے رسول تک۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں استناد کی عادت پڑی۔ وہ محض قرآن وحدیث کی سند نقل نہیں

کرتے بلکہ کوئی دینی فن نہیں کہ جس کی سند نہ ہو۔ ہدایہ آپ پڑھائیں گے۔ سند موجود ہے۔ کہ صاحبِ ہدایہ سے ہمارے استادوں نے اسی طرح حاصل کیا۔ حتیٰ کہ تصوف کے اندر عرفائے حقیقت اور حضرات صوفیہ نے بھی سند کے ساتھ کلام کیا ہے۔ شیخ ابوالحق کا رسالہ ہے "قشیریہ" اس میں حضرت جنید اور حضرت شبلی کے واقعات بھی نقل کئے ہیں تو سندیں نقل کی ہیں۔ تصوف کے اصول نقل کئے ہیں تو سندیں نقل کی ہیں۔ کہ یہ اصول تصوف کا جنید سے یا شبلی سے یا سید الطائفہ سے فلاں سند کے ساتھ ہمیں پہنچا ہے۔ اور اس میں پھر آگے ماخذ پیش کیا ہے۔ قرآن و حدیث، کہ انہوں نے اخذ کیا ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے۔

تو تصوف کی سندیں الگ موجود ہیں۔ فقہ کی سند الگ موجود۔ حدیث کی سندیں الگ موجود۔ اور قرآن کی سند تو متواتر طبقات کے ساتھ ہے۔ تو کوئی دینی فن یا دینی مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ مسلمان یہ کہہ کے نقل کر دیں کہ باپ دادا سے یونہی سنتے چلے آ رہے ہیں۔ بلکہ وہ کہیں گے کہ میں نے فلاں استاد سے پڑھا وہ اپنے استاد کا حوالہ دیگا وہ اپنے استاد کا۔ تو یہ کسوٹی ہے۔ جس کے ہاتھ میں سند نہ ہو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا علم مستند نہیں۔ ماننے کے قابل نہیں۔ مانی جائے گی اس کی بات، جو سندِ متصل کے ساتھ نقل کرے۔

تو آج ان طلبہ کے لئے مبارکباد دینے کا وقت ہے کہ جنہیں متنِ حدیث بھی حاصل ہوا ہے اور سند متصل کے ساتھ ہوا۔ اس واسطے میں ان طلبہ کو بھی مبارکباد دیتا ہوں ان کے ساتھ اساتذہ کو بھی مبارکباد دیتا ہوں۔ مدرسہ کے معاونین اور منتظمین کو بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کی محنتوں کا پھل ان کے سامنے آگیا۔ اور سند کے ساتھ چند علماء تیار ہوئے۔

یہ ظاہر ہے کہ علماء سب ایک درجہ کے نہیں ہوتے کوئی بہت اعلیٰ فہم رکھتا ہے۔ کوئی ادنیٰ ہے، کوئی متوسط درجے کا ہے۔ فوق کل ذی علم علیم۔ تو ایک درجے کے سارے نہیں ہوتے۔ بعض بہت دقیق الفہم ہوتے ہیں بعض بلید الفہم ہوتے ہیں۔ بعض غبی بھی ہوتے ہیں۔ مگر خیر دیندار تو بن جاتے ہیں۔ ان کی غباوت اگر علم تک نہ پہنچا سکے تو کم سے کم عملِ صحیح تو ان کا قائم ہو ہی جاتا ہے۔ تو بہر حال علماء ایک درجہ کے نہیں ہوتے۔ مگر حسنِ ظن رکھنا سب کے ساتھ ضروری ہے۔ جبکہ وہ سند کے ساتھ روایت کریں۔ اور انہیں سند کے ساتھ علم حاصل ہوا ہو۔ تو ہم سب کا فرض ہے کہ ان کے ساتھ حسنِ ظن رکھیں۔ ان کی عظمت کریں۔ وہ عظمت اس کی ذات کی نہیں ہوتی

ذات تو گوشت پوست سے مل ہوئی ہے۔ اور وہ ہمارے اندر بھی موجود ہے۔ اس کی کیا عظمت ہے؟ وہ عظمت علم کی ہوتی ہے۔ اور علم ان کے اندر اللہ اور اللہ کے رسول کا آیا ہوا ہوتا ہے۔ اس واسطے تعظیم کی جاتی ہے علم کی۔ اور تعظیم کی جاتی ہے اس نسبت اور سند کی جو انہیں حاصل ہوئی۔

تو یہ سب طلباء اور علماء جو تیار ہوئے ہیں ہم سب کے لئے مستحق اور مستوجب تعظیم و عظمت اور وقار کے ہیں لوجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور لوجہ اللہ تعالیٰ، کہ انہیں نسبت حاصل ہو گئی حق تعالیٰ سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اس لئے ہم ان کی عظمت کریں گے۔

تحقیر کرنا کسی عالم کی کسی طرح جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس کی تحقیر سے علم کی تحقیر ہوتی ہے۔ اور علم اللہ اور اللہ کے رسول کا ہے۔ اس کی تحقیر کب جائز ہے ہمارے لئے؟ تو مستند علم واجب التعظیم ہے۔ مستند عالم واجب التکریم ہے۔ اس واسطے ان دونوں کو عظمت دی جائے گی۔ اور ان کو مبارکباد دی جائے گی۔ تو میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور چونکہ ختم کے لئے اپنی عنایت اور مہربانی سے مجھے بلا لیا۔ اور اس سعادت میں شریک کیا۔ کہ میں ختم کراؤں۔ اس لئے ضرورت پڑی کہ میں اپنی سند پیش کر کے اس سند کی اجازت انہیں دوں جن طلبہ نے میرے سامنے حدیث پڑھی۔ میرا سلسلۂ سند ایک تو ہے حضرت علامہ مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ شاگرد ہیں حضرت شیخ الہند کے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے شاگرد تھے۔ الخ۔

(یہ پوری تقریر۔ ٹیپ ریکارڈ سے نقل کی گئی)

اگلے شمارہ میں

اولٰئک ھم الراشدون کی پانچویں قسط، حیات شیخ الاسلام درس حدیث، مولانا عبد المنان دہلوی کا عربی قصیدہ، (مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث صاحب کی تعریف میں)، حضرت خواجہ باقی باللہ کے حالات زندگی، اور دیگر گرانقدر مضامین اور مختلف شعراء کا کلام

نعت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بقلم الاستاذ عبدالمنان الدہلوی

مُحَمَّدٌ صَاحِبُ الْاٰیَاتِ مُعْجِزَۃً   حَدِیْثُہٗ کَزَبِیْبٍ نُطْقُہٗ عَسَلُ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب آیات معجزہ ہیں آپ کی حدیث کشمکش کی طرح ہے آپ کی گویائی شہد کی طرح

عَفْوٌ وَّسَمْحٌ وَّاِغْضَاءٌ وَّمَرْحَمَۃٌ   خِصَالُہٗ وَبِحُسْنِ الْخُلْقِ مُشْتَمِلُ

عفو وسخا چشم پوشی اور مرحمت یہ آپ کی عادات طیبہ تھیں اور آپ تو حسن اخلاق کی چادر اوڑھے ہوئے تھے

مَاْوَی الضِّعَافِ مَلَاذُ الْخَلْقِ قَاطِبَۃً   غَوْثُ الْاَرَامِلِ غَیْثٌ وَابِلٌ ھَطِلُ

کمزوروں کا ٹھکانا تھے تمام مخلوق کی پناہ گاہ تھے۔ بیوہ و بے کس عورتوں کا سہارا تھے ان عادات میں خوب برسنے والے بادل کی طرح (فیاض) تھے

بَرٌّ رَءُوْفٌ بِمَنْ خَفَّتْ اَوَاصِرُہٗ   کَدِیْمَۃٍ بَذْلُہٗ یُعْطِیْ وَیَبْتَذِلُ

نیکوکار اور بہت ہی محبت رکھنے والے اس سے جس کے عزیز و اقارب بے وزنی ہوں آپ کی عطا جھڑی کی طرح تھی دیتے تھے اور خوب دیتے تھے

وَلَا یَمِیْلُ اِلٰی مَالٍ وَّلَا سَبَبٍ   وَلَا عَلٰی مَا سِوَی الْخَلَّاقِ یَتَّکِلُ

مال و اسباب کی طرف التفات (بھی) نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ رکھتے تھے

خَتْمُ النُّبُوَّۃِ لَاشَکٌّ وَّلَا رَیْبٌ   وَلَا نِزَاعٌ وَّلَا خُلْفٌ وَّلَا جَدَلُ

ختم نبوت میں نہ کوئی شک و شبہ ہے نہ نزاع نہ اختلاف

یُعَلِّمُ النَّاسَ اَخْلَاقًا مُطَھَّرَۃً   لَوْلَاہُ لَمْ تَبْرَءِ الْاَسْقَامُ وَالْعِلَلُ

لوگوں کو آپ پاکیزہ اخلاق سکھاتے تھے اگر آپ نہ ہوتے تو (اخلاقی) بیماریاں دفع نہ ہوتیں

یَدْعُوْ اِلٰی طَاعَۃٍ فَرْضٍ وَّنَافِلَۃٍ   وَلَا یُؤَخِّرُہٗ عَجْزٌ وَّلَا کَسَلُ

آپ فرض اور نفل اطاعت کی طرف دعوت دیتے تھے آپ کو اس دعوت سے کوئی تکان یا کسلمندی نہ روک سکتی تھی

فَظَلَّ مُرْتَدِیًا یَنْھٰی وَیَاْمُرُھُمْ   وَبَاتَ مُخْتَفِیًا یَبْکِیْ وَیَبْتَھِلُ

دن میں آپ چادر اوڑھکر امر و نہی فرماتے اور رات کو چھپ کر روتے ــــ اور تضرع فرماتے تھے

كَصَخْرَةٍ عَزْمُهُ صَمَّاءَ رَاسِخَةٍ يَرُوعُ قَافِلَةَ الْكُفَّارِ إِذْ نَزَلُوا

آپ کا عزم ٹھوس جمی ہوئی چٹان کی طرح تھا کفار کے قافلہ کو آتے ہی (یہ عزم) ڈرا دیتا تھا.

وَقَالَ قَائِلُهُمْ وَالنَّارُ مُسْعَرَةٌ لِلْحَرْبِ فَاشْتَدَّ أَيْنَ اللَّاتُ وَالْهُبَلُ

اور کافروں میں کہنے اور جس وقت جنگ کی آگ شدت پر ہوتی تھی تو کافروں میں کہنے والا بھاگتے ہوئے کہتا تھا کہ (ہمارے) لات وہبل کہاں ہیں

فِي بَلْدَةٍ جَعَلَ الرَّحْمٰنُ بَلْدَتَهُ ظُهُورُ أَحْمَدَ مَخْتُومٌ بِهِ الرُّسُلُ

ایسے (مقدس شہر مکہ میں) آپ کا ظہور ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا شہر بتایا ہے. آپ پر تمام انبیاء کی رسالت ختم فرما دی گئی

وَكَانَ مَوْلِدُهُ فِيهَا وَهِجْرَتُهُ مِنْهَا إِلَى طَيْبَةٍ قَدْ خَطَّهُ الْأَزَلُ

آپ کی پیدائش اس میں ہوئی اور آپ کی ہجرت وہاں سے طیبہ کی طرف ہوئی جسے ازل نے آپ کے لیے الاٹ کیا تھا

يَشُدُّ رَاحِلَةً تَطْوِي مَرَاحِلَهُ قَصْوَاءَ نَاقَتُهُ لَمْ تَعْدُهَا الْإِبِلُ

آپ اونٹنی پر سوار (سفر کرتے گئے جو) آپ کے مراحل سفر طے کر رہی تھی آپکی اونٹنی کا نام قصواء تھا (یعنی کن کٹی یہ اسکا نام تھا) اس سے آگے اونٹ نہیں نکلتا تھا

مَأْمُورَةٌ لَا تَرَى سَهْلًا وَلَا جَبَلًا عَوْجَاءُ مُسْرِعَةٌ تَرْدِي كَمَا الْجَمَلُ

وہ (اللہ کی طرف سے) مامور تھی نہ وہ ہموار زمین دیکھتی نہ پہاڑ دبلی پتلی اور اونٹ کی طرح تیز رو تھی

وَكَانَ مُنْتَظِرًا إِذْ جَاءَهُ خَبَرٌ مِنَ السَّمَاءِ بِإِذْنِ السَّيْرِ فَارْتَحَلُوا

جب آسمان سے اجازت سفر کی اطلاع آئی تو آپ اس کے منتظر تھے اجازت ملتے ہی روانہ ہو گئے

رَفِيقُهُ رَجُلٌ فِي الْغَارِ صَاحِبُهُ لَوْلَا هَوَاهُ لَمَا بِالْقَبْرِ يَتَّصِلُ

آپ کے رفیق سفر ایک ایسے صاحب تھے جو غار میں رفیق اور ساتھی تھا اگر ان کی یہ خواہش دلی نہ ہوتی تو قبر میں بھی نزدیک نہ رہتے

أَعْنِي أَبَا بَكْرِنِ الصِّدِّيقَ مَنْزِلَتُهُ بَيْنَ الصِّحَابِ كَشَمْسٍ دُونَهَا زُحَلُ

میری مراد ان صحابی سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جن کا رتبہ صحابہ کرام میں سورج کی طرح ہیں (کہ باقی ستارے) زحل (وغیرہ) اس سے کم ہوتے ہیں

حَتّٰى إِذَا بَلَغَتْ أَرْضًا مُبَارَكَةً قَرَّتْ وَمَا بَرِحَتْ فِي التُّرْبِ تَجْدِلُ

حتیٰ کہ جب وہ اونٹنی اس مبارک سرزمین پر پہنچی تو ٹھہر گئی. مٹی سے لگ گئی اور اپنی جگہ سے نہ ہلی

وَلِلْمَدِينَةِ أَنْوَارٌ مُشَاهَدَةٌ بِنُورِهِ كَصَبَاحٍ لَيْلُهَا الشَّمِلُ

اور مدینہ منورہ کے ایسے انوار ہیں جو نظر آتے ہیں وہ آپ کے ہی نور کی وجہ سے ہیں. اس کی نشیلی رات بھی صبح ہی کی طرح ہوتی ہے

مَنَاظِرٌ وَّ قَرَارُ الْهَائِمِيْنَ بِهَا　　عَجِيْبَةٌ وَّ رَأَوْهَا كُلَّمَا دَخَلُوْا

(وہاں) عجیب قسم کے مقدس مناظر ہیں اور عشق باطن والوں کے سکون کا (مکمل) سامان ہے اور یہ عجائب جب بھی اہلِ باطن جائیں دیکھتے ہیں

أَبُوْلُبَابَةَ مَكْبُوْلٌ بِسَارِيَةٍ　　وَتِلْكَ حَنَّانَةٌ تَشْكُوْ كَمَنْ عَقَلُوْا

(وہیں وہ) ستون ہے (جس سے) ابولبابہؓ بندھے تھے اور وہ درخت کا تنہ حنّانہ ہے جو عقلمندوں کی طرح گلہ کر رہا تھا۔

وَذَاكَ مِنْبَرُهُ يَرْقٰى لِخُطْبَتِهٖ　　وَقَبْرُهُ لَيْتَ لِيْ طَوْلًا فَأَتَّصِلُ

اور وہ (دیکھو) منبرِ رسولؐ ہے جس پر آپ خطبہ کے لیے چڑھتے تھے اور (وہ) آپ کی قبر مبارک ہے کاش مجھے قدرت حاصل ہوتی تو میں پہونچ جاتا۔

شَوْقًا اِلَيْهِ وَمَا أَسْرَفْتُ حِيْنَ جَرٰى　　دَمْعِيْ عَلٰى قَبْرِهٖ وَالْعَوْدُ مُحْتَمَلُ

اپنی خواہش (شوق میں) (ہر وقت رہتی ہے) اور میں نے کوئی اسراف نہیں کیا جب میرے آنسو آپکی قبر مبارک پر جاری ہوئے۔ کیونکہ لوٹ کر آنے کا تو احتمال ہی ہوتا ہے

لَقَدْ رَأَيْتُ تُرَابًا مَسَّ حُجْرَتَهٗ　　لَثَمْتُهٗ أَدَبًا وَالْعَيْنُ تَكْتَحِلُ

میں نے دیکھا کہ میں نے اس مٹی کو ادباً چوم لیا جو آپؐ کے حجرہ مطہرہ سے مس ہو رہی تھی اور آنکھ اُس کا سرمہ لگا رہی ہے

وَخَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ الْحَقُّ بِعْثَتُهٗ　　اِلَى الْخَلَائِقِ فَانْهَدَّتْ بِهَا الدُّوَلُ

اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ہی مخلوقات کی طرف بعثت حق ہے۔ اس سے تمام دنیا کی حکومتیں سقوط ہو گئیں

تَزَلْزَلَ الْقَصْرُ وَالْاِيْوَانُ مُنْصَدِعًا　　بِصِيْتِهٖ وَ زِمَامُ الْمُلْكِ مُنْتَقِلُ

آپ کی (عالم بالا ہی کی) شہرت سے قصرِ روم اور ایوان کسریٰ میں زلزلہ آگیا (جس سے وہ) پھٹ گیا اور زمامِ سلطنت منتقل ہونیوالی ہوگئی

كِسْرٰى يُخَوِّفُهٗ أَعْرَابُ بَادِيَةٍ　　وَجَيْشُهٗ كُلُّ فَرْدٍ فِي الْوَغٰى بَطَلُ

کسریٰ کا حال یہ ہو گیا کہ اسے جنگل کے دیہاتی ڈرانے لگے حالانکہ اُس کے لشکر کا ہر فرد جنگ میں پہلوان تھا

كَذَاكَ قَيْصَرُ رُوْمٍ حِيْنَ دَعْوَتِهٖ　　وَلَا سِنَانٌ وَلَا نَبْلٌ وَلَا أَسَلُ

اسی طرح قیصرِ روم کا حال ہوا جب آپنے اسکو دعوت دی حالانکہ وہاں (گرامی نامہ کے ذریعہ فقط دعوت ہی پہنچی تھی) نہ نیزہ تھا نہ تیر نہ تلوار

لٰكِنَّهُمْ جَحَدُوْا مَا قَالَهُمْ رُسُلٌ　　وَاسْتَنْكَرُوْهُ وَوَلَّوْا كَالَّذِيْنَ وَلُوْا

لیکن قیصر و کسریٰ نے فرستادوں کی بات کا جان بوجھکر انکار کر دیا اور اسے اوپرا سمجھا اور پشت پھیری ان لوگوں کی طرح کہ جن سے یہ نزدیک تھے

ذَاقُوا الْوَبَالَ كَمَا ذَاقَ الَّذِيْنَ خَلَوْا　　مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلُ

(آخر کار) انہوں نے بھی (اپنی بدعملی کا) وبال چکھا جیسے ان سے پہلوں نے چکھا تھا (اب) ان کے اوپر نیچے (آگ کے) بادل ہیں

فتنوں کی سرکوبی

اُولٰئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ

"خلافت و ملوکیت" کے جواب میں!

(قسط : ۴)

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا السید محمد میاں صاحب ادام اللہ معالیہم

کوفہ کے فتنہ انگیز حالات

حالات کا پورا نقشہ پیش کرنے کے لیے ہمیں عہد فاروقی کی طرف لوٹنا پڑ رہا ہے

(۱)

ایران سے جنگ جاری ہے۔ یزدجرد (شاہ ایران) قادسیہ میں شکست کھانے کے بعد اپنے دارالسلطنت مدائن سے بھی فرار ہو چکا ہے۔ اپنے پایہ تخت کو واپس لینے کے لیے "جلولاء" کو محاذ جنگ بنایا تھا۔ وہاں بھی بری طرح شکست کھا کر فرار ہو چکا ہے۔ مگر بار بار کی حسرت انگیز شکستوں کے بعد بھی ہمت نہیں ہاری، اب "نہاوند" کے علاقہ میں فوجیں جمع کر رہا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ لاکھ فوج جمع کر چکا ہے۔

(۲)

ایران کے جو علاقے اسلامی مملکت میں داخل ہو چکے ہیں۔ ان کی حفاظت کے لیے دو فوجی شہر آباد کیے گئے ہیں بصرہ اور کوفہ۔

کوفہ کا گورنر وہ فولادی انسان ہے جس کا نام سعد بن ابی وقاص ہے جس کو فاتح عراق کہا جاتا ہے۔ جس

نے تاریخ عراق کی سب سے بڑی جنگ "قادسیہ" میں دشمن کے پرخچے اڑائے تھے۔ جس کی نظر صرف مادی طاقت پر نہیں تھی بلکہ مادی طاقت سے بالا روحانی اور ملکوتی طاقت پر بھی اس کو اتنا اعتماد ہے کہ پایہ تخت کسریٰ یعنی مدائن پر حملہ کرنے چلا۔ تو اتفاق سے دریا دجلہ بھی دشمن کی پناہ بننے لگا۔ اس میں شدید طغیانی آگئی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجیں بہت دور تک پھیل گئیں۔ شدتِ طغیانی کے سبب سے پانی کالا ہو گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۷ ص۶۴)

دنیا کی تاریخ ہمیشہ اس فرشتہ صفت جرنیل کی شجاعت اور اس کے غیر معمولی اعتماد علی اللہ کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتی رہی ہے کہ جب اس کی نظر اس ہیبت انگیز غیر معمولی طغیانی پر پڑی تو خوف وہراس کے بجائے قوت ایمانی نے اس کے اندر بے پناہ ولولہ عمل پیدا کر دیا۔

اس نے ایک آواز دی، کون ہے جو میرے ساتھ اپنا گھوڑا دریا میں ڈالتا ہے؟

راوی بیان کرتے ہیں کہ ساتھ ہی آپ نے یہ الفاظ بھی زبان سے ادا کئے۔

نستعین باللہ و نتوکل علیہ۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (البدایہ والنہایہ ج۷ ص۶۵)

ترجمہ: "ہم اللہ سے مدد مانگتے ہیں اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہمارے لیے اللہ کافی ہے۔ وہ بہت ہی اچھا ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے سواء ہمارے اندر کوئی طاقت ہے نہ قوت"

پھر کیا تھا بقول علامہ اقبال

"بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے"

ایرانیوں نے دیکھا دریائے دجلہ کی موجوں کے سینہ پر سوار پوری فوج اس طرف آرہی ہے۔ تو دیوانان۔ دیوانان کہتے ہوئے بھاگے۔ قسم بخدا انسان نیند جنات اند (البدایہ والنہایہ ج۷ ص۶۴)

(۳)

خاص انہیں ایام میں کہ یزدجرد اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو واپس لینے کے لیے آخری بازی لگا رہا ہے۔ اور علاقہ نہاوند میں ایسی فوج جمع کر چکا ہے۔ کہ مالم یجمع لھم قبل ذالک۔ (اتنی فوجیں اس سے پہلے کبھی جمع نہیں ہوئی تھیں) (البدایہ ج۷ ص۱۰۵)

اہل کوفہ کا ایک وفد "جراح بن سنان اسدی" کی قیادت میں خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پہنچ کر ایک یادداشت پیش کرتا ہے۔ یہ اس فولادی انسان قائد افواج اسلامیہ سیدنا حضرت سعد بن الوقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق شکایتوں کا ایک دفتر ہے۔ ایک شکایت یہ بھی ہے کہ نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے۔

ملوکیت اور بادشاہت کو چھوڑ دیجئے ہمارے جمہوری دور کے ارباب اقتدار بھی ایسے نازک وقت میں اس طرح کے احتجاج کو برداشت نہیں کریں گے۔ اور فوجی قوانین کے لحاظ سے تو شاید ایسے احتجاج کرنے والے گردن زدنی قرار دیئے جائیں۔ مگر یہ خلافت راشدہ کا دور ہے۔ ہر ایک کو کسی بھی وقت حاکم اور افسر کے متعلق شکایت کرنے کا اختیار ہے۔ بایں ہمہ حضرت فاروق اعظمؓ اس اچانک شکایت نامہ سے چونکے۔ آپ نے فرمایا

ان الدلیل علی ما عندکم من الشر نہوضکم فی ھذا الحال وھو مستعد لقتال اعداء اللہ وقد جمعوا لکم (صہ ۱۰۶)

اس وقت جب کہ (حضرت سعد) جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اور دشمن کی فوجیں تمہارے مقابلہ پر جمع ہو رہی ہیں کوچ کرکے تمہارا یہاں آنا یہ خود تمہاری شرارت کی دلیل ہے۔

پھر فرمایا۔ باوجودیکہ تمہاری شرارت واضح ہے مگر شکایت پہنچ جانے کے بعد جو مجھے کرنا چاہیئے تمہاری شرارت مجھے اس سے نہیں روک سکتی۔ مع ھذا لا یمنعنی ان انظر فی امرکم (البدایہ صہ ج ۱۰۶)

چنانچہ حضرت سعد کو مدینہ طلب فرمالیا۔ اور جب وہ پیش ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

شکوک فی کل شئ حتی الصلوٰۃ (بخاری شریف صہ ۱۰۷)

سب کاموں میں آپ کی شکایت کی ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی شکایت کی ہے کہ نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جواب سننے سے پہلے ان کے بارے میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ شہادت ضرور ذہن نشین کر لیجیے۔

ما سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجمع ابویہ لاحد الا لسعد بن مالک

فانه سمعته يقول يوم احد يا سعد ارم فداك ابی وامی (بخاری شریف صد۱۸ ۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کے متعلق نہیں سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں اور باپ دونوں کا نام لے کر فرمایا ہو کہ تم پر میرے ماں باپ قربان۔ صرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ (سعد بن مالک عرف سعد بن ابی وقاص کنیت ابو اسحاق) کی وہ ذات ہے کہ جب غزوہ اُحد میں دشمنوں کے جھرمٹ سید الکونین صلی اللہ علیہ پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ تیر اندازی کے جوہر دکھاتے ہوئے ان کو ہٹا رہے تھے (تو جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس کے پاس ترکش دیکھتے اس کو فرمائش کرتے کہ ترکش حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس خالی کر دو۔ یعنی ترکش کے سارے تیر یہاں ڈال دو۔ ایسے ہی) حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے ارم فداك ابی وامی۔ مارو تم پر میرے ماں باپ قربان۔

بہر حال دربار فاروقی میں شکایتوں کا جواب دیتے ہوئے جو حقیقت افروز اور رقت انگیز تقریر آپ نے فرمائی۔ اس کا ترجمہ یہ ہے

میں سب سے پہلا عرب ہوں۔ جس نے راہ خدا میں تیر چلایا

(ہمارے یہ غزوے آج کی طرح سازوسامان کے ساتھ نہیں ہوتے تھے) ان غزوں کی حالت اس وقت بھی میری نگاہ میں پھر رہی ہے کیکر کی گروسیاں یا کیکر کے پتے ہماری خوراک ہوتے تھے بکری کی مینگنوں کی طرح ہمارا فضلہ خشک ہوتا تھا ہماری باچھوں میں زخم ہو گئے تھے۔ اسلام سے مشرف ہونے میں میں ساتواں آدمی ہوں۔ آج یہ لوگ میری اصلاح کر رہے ہیں اتنی قدامت کے باوجود اگر میں نماز صحیح نہیں پڑھ سکتا تو "وائے برمن" مجھ سے زیادہ محروم القسمت کون ہو سکتا ہے۔ (بخاری شریف صد ۹۵ صد ۱۰۴ شمائل ترمذی شریف صد ۲۷)

مودودی صاحب تو شاید اس تقریر سے اثر نہ لیں۔ کیونکہ آپ کا فیصلہ یہ ہے کہ آپ نے جو تیر چلایا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے خلاف تھا۔ (ملاحظہ فرمائیے مودودی صاحب کی تفسیر کے متعلق آیت ویسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه) لیکن وہ فاروقِ اعظم کہ مودودی صاحب جیسے ہزاروں برخود غلط علامہ ان کے گرد پا کو بھی نہیں پہنچتے۔ انہوں نے اس تقریر سے گہرا اثر لیا چنانچہ

آپ نے فرمایا صدقت ذالك الظن بك یا ابا اسحٰق (بخاری ص۱۰۴ ج۱) سچ فرمایا اے ابواسحٰق (یہ کنیت ہے احتراماً نام نہیں لیا)، آپ کے متعلق ہمارا یقین یہی ہے۔

حضرتِ فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی صداقت کا پورا یقین تھا۔ مگر پھر بھی آپ نے تحقیق ضروری سمجھی۔ آج کل کی اصطلاح میں یہ کہنا چاہیئے کہ ایک تحقیقاتی کمیشن کوفہ بھیجا۔ ارکانِ کمیشن نے اہلِ کوفہ کے بیانات لیے۔ پھر ایک مسجد میں پہنچ کر نمازیوں سے تحقیق کی۔ مگر شکایت کسی نے بھی نہیں کی۔ ہر ایک نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تعریف کی۔ صرف قبیلہ بنی عبس کی ایک مسجد میں ایک شخص اسامہ بن قتادہ نے یہ بیان دیا۔ اما اذا انشدتنا فان سعدا کان لایسیر بالسریۃ ولا یقسم بالسویۃ ولا یعدل فی القضیۃ۔ (بخاری شریف ص۱۰۴) جب آپ قسم ہی دیتے ہیں تو بات یہ ہے کہ سعد مجاہدین کے دستہ (فوجی کمپنی) کے ساتھ خود نہیں جاتے۔ (کسی کو امیر اور کمانڈر بنا کر بھیج دیا کرتے ہیں) اور (مالِ غنیمت) مساوی طور پر تقسیم نہیں کرتے۔ اور کوئی مقدمہ آتا ہے تو انصاف سے کام نہیں لیتے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان الزامات کے خلاف اپنی صفائی میں ہزاروں شہادتیں پیش کر سکتے تھے۔ مگر مردِ باخدا نے انسانوں کے بجائے اپنا معاملہ خدا کے حوالہ کیا۔ اور دعاء کی

"اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے نمائش اور شہرت کے لیے یہ بیان دیا ہے تو اس کی عمر دراز کر۔ اس کے فقر کو طویل کر۔ اور اس کو فتنوں کا نشانہ بنا۔"

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ایک ممتاز خصوصیت یہ تھی کہ آپ مستجاب الدعاء تھے دریائے دجلہ کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے پوری فوج کا پوری حفاظت سے پار ہو جانا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعاء کی برکت ہی مانی جاتی ہے۔

دوسری خصوصیت آپ کی وہ شفقت اور ہمدردی تھی جس سے یہ شخص بھی محروم نہیں ہے جس کے حق میں بددُعا کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ اس کی عاقبت کے متعلق بد دعاء نہیں کرتے۔ بد دُعاء میں صرف ایسی باتیں ذکر کرتے ہیں جو دنیا ہی میں ختم ہونے والی ہیں۔

بہرحال بد دعا اثر کیے بغیر نہیں رہی۔ عبد الملک بن عمر جنہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ واقعہ سنا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ اس شخص کو مَیں نے بھی دیکھا ہے۔ اس کی عمر بہت ہوئی۔ بوڑھا کھوسٹ ہو گیا۔ حالت یہ تھی کہ بھویں آنکھوں پر لٹک آئی تھیں۔ راستہ میں لڑکیوں کو چھیڑا کرتا تھا جب اس حماقت پر اس کو تنبیہہ کی جاتی تو جواب دیا کرتا تھا۔ شیخ مفتون اصابتی دعوة سعد (بخاری شریف صد ۱۰۴)

بوڑھا ہوں۔ فتنہ میں مبتلا۔ مجھے سعد کی بد دعا لگ گئی۔

آفتابِ نیمروز کی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی براءت واضح ہو جانے کے بعد بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو کوفہ نہیں بھیجا۔ بظاہر آپ کو گوارا نہ تھا کہ کوفہ کے یہ کم ظرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے منہ آئیں۔ البتہ آپ نے اپنی وفات کے وقت انتخابِ خلیفہ کے لیے جو چھ ارکان نامزد کئے۔ جن میں سے ہر ایک رکن اس کا اہل تھا۔ کہ اس کو پوری مملکت کا سربراہ (خلیفہ) بنایا جائے۔ ان میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بھی شامل رکھا۔ اور یہ بھی فرمادیا کہ میں نے ان کو کسی خیانت یا کمزوری کی بنا پر الگ نہیں کیا تھا۔ اب اگر ارکانِ شوریٰ ان کو خلیفہ منتخب کریں تو بلاشبہ وہ اس کے اہل ہیں۔ اور اگر خلیفہ نہ بنائے جائیں تو جو خلیفہ ہو اس کو چاہیئے کہ وہ ان کا تعاون حاصل کرتا رہے۔ (بخاری شریف صد ۵۴۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص کی معزولی کے بعد

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان کو پھر حضرت زیاد بن حنظلہ (رضی اللہ عنہم)، کو یہ منصب سپرد ہوا۔ اہلِ کوفہ مطمئن نہیں ہوئے تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو یہ خدمت سپرد فرمائی۔ لیکن اہل کوفہ نے ان کی بھی شکایت کردی۔ لایحسن السیاسۃ (سیاست نہیں جانتے)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان کو معزول کر کے سیّدنا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو امیرِ کوفہ بنانا چاہا۔ تو اہل کوفہ نے پہلے ہی کہدیا۔ لانرید٭ (ہم ان کو نہیں چاہتے) اب حضرت فاروق اعظم پریشان تھے۔ کیف واھل الکوفۃ مائۃ الف لایرضون من امیر ولا یرضی

عنهم امیں ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۲۵ و ۱۲۶) کیا کیا جائے یہ اہل کوفہ ایک لاکھ ہیں، نہ وہ کسی میرے راضی اور نہ کوئی امیر ان سے راضی ہوتا ہے، آپ نے حضرات صحابہؓ کا اجتماع کیا۔ ان تمام حالات کو بیان کرنے کے بعد ایک اصول سامنے رکھا۔ هل يولى عليهم قويا شديدا او ضعيفا مسلما. (کسی مضبوط اور سخت قسم کے آدمی کو امیر بنایا جائے یا نرم مزاج کو جو ان کے مشوروں پر چلتا رہے۔)

سیدنا فاروق اعظم کے ماموں حضرت مغیرہ بن شعبہ بھی مجمع میں موجود تھے، حضرت مغیرہ نے مشورہ دیا کہ "قوی شدید" کو امیر بنایئے۔ اس کی سختی سے ممکن ہے، عوام پریشان ہوں لیکن اگر وہ مضبوط ہے۔ تو اس کی مضبوطی آپ کے لئے مفید ہوگی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ ساتھ ہی یہ فرمایا۔ آپ ہی اس کے لئے مناسب ہیں۔ چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق شکایت، ان کی معزولی اور جنگ نہاوند (جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت نعمان بن مقرن کی قیادت میں کامیابی سے لڑی گئی) یہ سب ۱۹ھ کے واقعات ہیں ۔ یعنی خلافت فاروقی کے ساتویں سال کے۔ اس کے بعد صرف ڈھائی یا تین سال کے عرصہ میں گورنروں کی یہ تبدیلیاں ہوئیں۔

۲۳ھ کے ختم پر جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت ہوئی، تو حضرت مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے امیر تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے، تو آپ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طلب فرمایا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر بنا دیا کہ حضرت فاروق اعظم کا ایما یہی تھا۔ لیکن ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں کچھ اختلاف ہوگیا، اس نے شدت اختیار کرلی۔ لوگ ہوا دینے لگے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو واپس بلالیا۔

اختلاف

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہاں قطب الارشاد کی حیثیت سے قیام فرما تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کو وہاں مامور فرمایا تھا۔ درس قرآن،

علمی مذاکرات (درس حدیث) افتاء، قضا اور احتساب (عوام کے اخلاق کی نگرانی) آپ کے فرائض تھے۔ ان کے علاوہ بیت المال کے امین اور نگران بھی آپ ہی تھے۔ حضرت سعد نے آپ کے توسط سے بیت المال سے قرض لیا۔ لیکن جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے واپسی کا مطالبہ کیا۔ تو آپس میں بحث شروع ہو گئی۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں :۔ فلما تقاضاہ بہ ابن مسعود ولم یتیسر قضاءہ تقاولا وجرت بینھما خصومۃ شدیدۃ فغضب علیھما عثمانؓ فعزل سعدا۔ صفحہ ۱۵۱ (جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تقاضا کیا اور ان کو یہ میسر نہ ہوا کہ ادا کر سکیں۔ تو اس کی بحث چلی۔ اور دونوں کے درمیان سخت خصومت ہو گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، دونوں پر ناراض ہوئے پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ، کو معزول کر دیا۔

جملہ معترضہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کی ناراضگی بسر وچشم۔ لیکن ایک صاحب بصیرت، جو حضرات صحابہ کی عظمت سے واقف ہے۔ اس کے لئے یہ واقعہ ایک تاریخی معمّہ ہے۔ یہ دونوں بزرگ جلیل القدر صحابی، صداقت، دیانت، ایثار، اخلاص اور جو صفات بھی جلیل صحابہ کی ہو سکتی ہیں ان سب میں ممتاز درجہ کے مالک، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ناواقف نہ ہوں گے کہ ادا ءِ قرض میں صاحب استطاعت کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ مطل الغنی ظلم

ملت کے فقیہہ اعظم سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، کے سامنے یہ آیت بھی ضرور ہوگی وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ۔ (اگر مقروض آدمی تنگی میں ہو تو سہولت حاصل ہونے تک اس کو مہلت دی جائے) علاوہ ازیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ، بھوکے ننگے نہیں بلکہ خوش حال اور صاحب دولت[1] تھے۔ خوش حالی کے ساتھ ساتھ فراخ حوصلہ بھی ایسے کہ تقریباً پندرہ سال پہلے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں) جب مکہ معظمہ میں ایسے سخت بیمار ہو گئے کہ زندگی سے مایوسی ہونے لگی، تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ تمام جائداد وقف کر دیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ تو دو ثلث، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی منظور نہیں فرمایا، تو نصف جائداد کی وصیت کر دینے کی درخواست کی، یہ درخواست بھی منظور نہیں ہوئی۔ تو عرض کیا کہ ایک ثلث جائداد کی وصیت

---

[1] ایک موقع پر جب آپ وصیت کی اجازت مانگ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا انا ذو مال میں صاحب دولت ہوں (بخاری شریف صفحہ ۶۳۲)

کی اجازت دی جائے. تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہوا ۔الثلث والثلث کثیر (ہاں تہائی اور تہائی بھی درست ہے) (بخاری شریف صفحہ ۱۰۳)

آپ کے اس واقعہ سے فقہ کا یہ ضابطہ مقرر ہو گیا کہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیّت جائز نہیں ہے. اگر کوئی زیادہ کی وصیّت کر بھی جائے تو وہ نافذ نہیں ہوگی،

بہر حال سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسا باحوصلہ اور صاحب استطاعت اداءِ قرض میں لیت و لعل کرے یہ قطعاً خلافِ قیاس اور خلافِ درایت ہے.

نوعیت قرض

حضراتِ مؤرخین نے قرض کا ذکر کیا. مگر اس کی نوعیت نہیں بیان کی. حضراتِ صحابہ کی جو توثیق و تعدیل قرآن پاک نے فرمائی ہے۔ اس کی بنا پر یقین یہ ہے کہ حضراتِ مؤرخین کی تعبیر میں کوتاہی ہوئی ہے۔

حضرتِ سعد رضی اللہ عنہ گورنر ہیں اور حضرت عبد اللہ بن مسعود وزیر خزانہ، اس قرض کی نوعیت اس سطح پر تصور میں آنی چاہیئے. حضرات مورخین نے عام قرض کی طرح اس کا ذکر کر دیا ہے۔ مگر دونوں حضرات کی پوزیشن کو سامنے رکھا جائے تو یقیناً صورت یہ ہوگی، کہ:-

"یہ قرض حضرت سعد بن وقاص نے بحیثیت گورنر یا امیر مملکت، کسی قومی ضرورت کے لئے لیا تھا. پھر بحث یہ ہوئی. کہ اس کی ادائیگی ضروری ہے یا بیت المال کے مدات صرف میں یہ ضرورت بھی داخل ہے تو یہ رقم وہاں صرف ہوئی. جہاں صرف ہو سکتی ہے. لہٰذا اس کی ادائیگی ضروری نہیں ہے"۔

یہ ایک اجتہادی مسئلہ تھا جس میں امیر (گورنر) اور امین بیت المال (وزیر خزانہ) کا اختلاف ہوا. ہر ایک اپنی رائے پر مضبوطی سے قائم ہے۔ ایسی صورت اگر پیش آجائے تو لامحالہ کسی ایک کو مستعفی ہونا پڑتا ہے. ہماری اس توجیہہ کی بیّن دلیل یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس منصب سے الگ ہوئے تو یہ قصہ بھی ختم ہو گیا۔ ذاتی قرض تھا تو اس کی ادائیگی لامحالہ ضروری تھی. حضرت سعد خود ادا نہ کرتے تو بذریعہ قضاء ان سے وصول کیا جا سکتا تھا. بہر حال فیصلہ درایت یہی ہے کہ یہ قرض ذاتی نہیں تھا اور یہ اختلاف اجتہادی تھا.



نعت مبارک

حضرت مولانا عبد الواحد صاحب ناظم محاسبی دار العلوم دیوبند

شبیہِ مصطفیٰؐ کتنی حسین معلوم ہوتی ہے
کمالِ شانِ ربّ العالمیں معلوم ہوتی ہے

جہاں بر کفِ مدینہ کی گلی معلوم ہوتی ہے
یہاں ہر رہ گزر خلدِ بریں معلوم ہوتی ہے

وہ برقِ طور، وہ شمعِ حرم جس سے ہے جگ روشن
نظر سے دور ہے دل کے قریں معلوم ہوتی ہے

تیری صورت جسے کہتے ہیں قدسی نور کی سورۃ
مکمل شرحِ قرآنِ مبیں معلوم ہوتی ہے

حرم کی خاک کا ہر ذرّہ محرابِ عبادت ہے
زِ خود مائل بہ سجدہ ہر جبیں معلوم ہوتی ہے

دلِ مظلوم سے خواہاں شیاطیں خونِ ناحق ہیں
ابھی فوجِ عدو مائل بہ کیں معلوم ہوتی ہے

ہیں مصروفِ جفا یارب حریفانِ جفا پیشہ
پریشاں امتِ سلطانِ دیں معلوم ہوتی ہے

فراقِ دشتِ بطحا کی جگر میں پھانس ہے ابتک
جہاں تھی یہ خلش پہلے وہیں معلوم ہوتی ہے

ترجمہ وتفسیر

سورۃ الحجرات

جناب مولانا قاری محمد عارف صاحب ایم اے ←→ جناب قاری فیوض الرحمٰن صاحب ایم اے

سورۃ کا نام

اِس سورۃ کا نام "حجرات" ہے۔ حجرات - حجرۃٌ کی جمع ہے۔ یہ نام اسی سورت کی ایک آیت "اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ" سے لیا گیا ہے مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اس کے دو رکوع اور اٹھارہ آیتیں ہیں۔

شانِ نزول

۹ ہجری میں بنو تمیم کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد زبردست خطیب اور شاعر بھی تھے۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو آپؐ کے حجرات شریفہ کے پیچھے کھڑے ہو کر آوازیں دینے لگے۔ اے محمدؐ! ہمارے پاس باہر آؤ (یا محمدُ! اُخرُج اِلینا) ہم آپ سے مفاخرہ[1] اور شاعری میں مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری تعریف، زینت ہے اور ہماری مذمت، عیب ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ شان تو اللہ کی ہے۔ میں نہ شاعر ہوں اور نہ مجھے فخر کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر یہ آیات" ان الذین ینادونک الخ —" نازل ہوئیں۔

آپؐ باہر تشریف لائے، ظہر کا وقت تھا۔ نماز ادا فرمائی، پھر مسجد کے صحن میں بیٹھ گئے۔ وفد نے کہا

---

[1] عرب زمانۂ جاہلیت میں ایک دوسرے پر اپنے آباؤ اجداد کے ذریعے فخر کرتے تھے۔ اسی کو مفاخرہ کہا جاتا ہے۔

ہم مفاخرہ کے لیے آئے ہیں ۔ ہمارے شاعر اور خطیب کو کچھ کہنے کی اجازت دیجئے ، آپؐ نے فرمایا " اجازت ہے "۔ بنو تمیم کے مشہور خطیب ۔ عُطَارُدْ بن حَاجِبْ کھڑے ہوئے ، اپنے کمالات اور مفاخر بیان کیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس انصاریؓ کو جواب کے لیے ارشاد فرمایا ۔ حضرت ثابتؓ کھڑے ہوئے اور فی البدیہہ تقریر فرمائی ۔

خطباء کے مقابلے کے بعد بنو تمیم کے مشہور شاعر ۔ زبرقان نے اپنے محاسن و مفاخر میں ایک قصیدہ پڑھا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسّان انصاری سے فرمایا کہ اس کا جواب دو ۔ حضرت حسانؓ نے فی البدیہہ[1] قصیدہ اس کے جواب میں کہا ۔

یہ تقریریں اور اشعار بڑے دلچسپ ہیں ۔ افسوس ہے کہ یہاں طوالت کے خوف سے ہم نقل نہیں کر سکتے ۔ شائقین ہماری کتاب " قصائد حسانؓ " میں ملاحظہ فرمائیں ۔ ہم صرف اسی وفد کے ایک معزز سردار اَقْرَعْ بِنْ حَابِسْ کا فیصلہ نقل کرتے ہیں ۔ اقرع نے کہا " خُدا کی قسم ! آپؐ کا خطیب ، ہمارے خطیب پر ، اور آپؐ کا شاعر ، ہمارے شاعر پر فوقیت رکھتا ہے " یہ پورا وفد مشرف بہ اسلام ہوا ۔ ان کے کچھ قیدی مسلمانوں کے پاس تھے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس فرما دیئے اور انعام بھی دیا ۔ اِسی طرح ۹ ہجری میں " بنی اسد " کے دس آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ آپؐ اسوقت مسجد میں تشریف فرما تھے ۔ انہوں نے بارگاہِ نبوی میں سلام کیا ۔ اس کے بعد ان میں سے ایک شخص نے کہا ۔ " ہم گواہی دیتے ہیں ، اللہ ایک ہے ، اُس کا کوئی شریک نہیں ۔ آپؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۔ ہم بغیر آپؐ کے بلائے خودُ ہی حاضر ہو گئے ہیں " آخر کے جملے میں آپؐ پر احسان کا پہلو نکلتا تھا ۔ کہ دیکھئے ہم تو خود بخود اسلام لے آئے اور حاضر ہوئے ۔ اس پر یہ آیت یَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ --- الخ " نازل ہوئی ۔

سورۃ کا خلاصہ اس سورت میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بنو تمیم کا خطیب اور شاعر پہلے سے تیار ہو کر آئے تھے ۔ حضرت حسانؓ اور حضرت ثابتؓ پہلے بے خبر تھے لیکن مقابلے میں پھر بھی غالب رہے ۔

کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و تکریم اور باہمی تعلقات قائم رکھنے کے آداب تعلیم فرمائے گئے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اے ایمان والو آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول سے، اور ڈرتے رہو اللہ سے،

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ

یقیناً اللہ سنتا ہے جانتا ہے۔ اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی

صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ

آواز سے اوپر، اور نہ رسول سے بلند آواز سے بات کیا کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہو کہیں

اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ

تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ یقیناً جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ

رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ

کے پاس وہی ہیں۔ جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے تقویٰ کے لیے ان کے لیے معافی ہے

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ③

اور ثواب بڑا۔

مشکل الفاظ | لَا تُقَدِّمُوْا۔ آگے نہ بڑھو، خود بخود کسی کام کا فیصلہ نہ کرو۔ لَا تَقْطَعُوْا اَمْرًا مِّنَ الْاُمُوْرِ۔

آیت نمبر ۱ | بنو تمیم کا جو وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس کے حاکم اور امیر کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی باہم گفت گو ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے قعقاع بن معبد کے متعلق رائے کا اظہار کیا اور حضرت عمرؓ اقرع بن حابس کو وفد کا امیر بنانا چاہتے تھے۔ دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اجازت سے پہلے تم کسی بات میں جلدی نہ کیا کرو۔ جو حکم اللہ کے رسولؐ کی جانب سے ملے اس پر عمل کرو۔

آیت نمبر ۲ | مشکل الفاظ - اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ - کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز مبارک سے اپنی آوازیں بلند نہ کرو جو بات چیت آپؐ کی موجودگی میں آپس میں بھی کرو۔ آہستہ کرو۔ اور اگر اللہ کے رسولؐ سے گفت گو کرنا ہو تو ایسے کھل کر اور بیباک ہو کر نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلفی اور بیباکی سے گفت گو کرتے ہو[۱]۔ مبادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچے اور تمہارے اعمال غیر شعوری طور پر ضائع ہو جائیں۔ اس لیے کہ اللہ کے رسولؐ کو تکلیف پہنچانا خود اللہ کو اذیت پہنچانا ہے۔

آیت نمبر ۳ | مشکل الفاظ - یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَہُمْ - اپنی آوازیں پست کرتے ہیں۔

اِمْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَہُمْ - ان کے دل جانچے اور پرکھے جا چکے ہیں اور ان میں پرہیزگاری راسخ کر دی گئی ہے۔ اِخْتَبَرَ ھَا وَ اَخْلَصَھَا -

یہاں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں عاجزی، ادب اور تعظیم سے کلام کرتے ہیں۔ ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لیے خالص فرما دیا ہے۔ تقویٰ و طہارت ان کے قلوب میں راسخ ہو چکی ہے۔ ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے[۲]۔

---

[۱] - یعنی حضورؐ کی مجلس میں شور نہ کرو۔ اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو۔ حضورؐ کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلافِ ادب ہے۔ آپؐ سے خطاب کرو تو نرم آواز سے، تعظیم و احترام کے لہجہ میں۔ ادب و شائستگی کے ساتھ۔ دیکھو ایک مہذب بیٹا اپنے باپ سے، لائق شاگرد استاذ سے، مخلص مرید پیر و مرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے۔ پیغمبرؐ کا مرتبہ تو ان سے کہیں بڑھ کر ہے۔ (فوائد عثمانیؒ)

علماء نے لکھا ہے کہ اپنے استاذ کی آواز سے اپنی آواز اونچا کرنا صریحاً ناشائستگی ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ جس نے مجھے ایک حرف بھی سکھایا میں اس کا غلام ہوں۔ اَنَا عَبْدُ مَنْ عَلَّمَنِیْ حَرْفًا وَّاحِدًا۔

[۲] - صحابہ کا امتحان اللہ پاک نے لیا ہے اولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَہُمْ لِلتَّقْوٰی - اور وہ پاس ہو کر خوشنودی کی سند بارگاہِ الٰہی سے حاصل کر چکے ہیں۔ اب ان کی جانچ پڑتال تحقیق و تفتیش اور جرح و تنقید کا افرادِ امت میں سے کسی کو بھی حق حاصل نہیں ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ

بیشک جو لوگ پکارتے ہیں آپؐ کو حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔ اور اگر

صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپؐ ان کے پاس باہر نکل آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم اس کی تحقیق کرو (ایسا نہ ہو) کہ تم کسی

بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝

قوم پر جہالت اور بے خبری سے جا پڑو پھر اپنے کیے پر نادم (پشیمان) ہونے لگو۔

آیت نمبر ۴-۵ | وفد بنی تمیم کے بعض لوگوں نے بلند آواز سے آپ کو پکارنا شروع کیا تھا "یا محمدؐ اُخْرُجْ اِلَيْنَا" یہ خلافِ ادب تھا۔ انہیں حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا انتظار کرنا چاہیے تھا یہ لوگ اگر توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

آیت نمبر ۶ | مشکل الفاظ۔ فَتَبَيَّنُوا۔ پوری تحقیق کر لو۔

لہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے قسم اٹھائی کہ مرتے دم تک آپؐ سے ایسی گفتگو کروں گا جیسے کوئی سرگوشی کر رہا ہو۔ اور حضرت عمرؓ اس قدر آہستہ بولتے کہ دوبارہ پوچھنا پڑتا۔ حضرت ثابت بن قیسؓ کی آواز پیدائشی طور پر بلند تھی۔ مگر نہایت تکلیف سے آواز پست کرتے تھے۔ صحابہؓ نے اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ پر خوب عمل کیا۔ آپؐ کے ادب و احترام۔ عقیدت و محبت کو ہر جگہ ملحوظ رکھا۔ آپ کی تعظیم و محبت پوری امتِ مسلمہ پر واجب ہے۔ اور اسی سے اس امت کی پراگندہ قوتیں جمع ہو سکتی ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں " حضورؐ کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر قوم مسلم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر ایمانی اخوت کا نظام قائم ہے۔"

جب کوئی خبر لائے تو اس کی پوری تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو بے خبری میں تکلیف پہنچاؤ اور پھر پشیمانی ہو[1]۔

آیت کے نزول کا قصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ولید بن عقبہؓ کو بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ زمانۂ جاہلیت میں، ولید اور بنی مصطلق میں کچھ عداوت تھی۔ بنی مصطلق، ولید کے استقبال کے لیے آئے۔ ولید نے سمجھا کہ اکٹھے ہو کر میرے قتل کے ارادے سے آئے ہیں۔ واپس جا کر اپنے خیال کے مطابق کہہ دیا۔ کہ وہ تو اسلام کے خلاف ہو گئے۔ اور میرے قتل کے درپے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق کے لیے حضرت خالدؓ بن ولید کو روانہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وہ لوگ فرمانبردار تھے۔ ولید کو غلط فہمی ہوئی۔ اگر حضور علیہ السلام تحقیق نہ فرماتے، اور بنی مصطلق پر حملہ کر دیا جاتا تو پشیمانی ہوتی۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ایسے مواقع پر پوری تحقیق کی جائے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ

اور جان لو! بیشک تم میں رسول ہے اللہ کا اگر وہ تمہاری بات مان لیا کرے بہت سے کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ

لیکن اللہ تعالیٰ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور مزین کر دیا ہے اسکو تمہارے دلوں میں، اور

الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ اللہ کے فضل سے

---

[1] اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ۔ فسق کا لغوی معنیٰ اطاعت سے نکلنا ہے چاہے معمولی ہی درجے میں ہو۔ اور اصطلاحاً فسق یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا عمداً ارتکاب کیا جائے۔ یہاں ارتکاب غلط فہمی سے ہوا ہے، قصداً نہیں ہوا۔ لیکن بات چونکہ خلاف واقعہ تھی اس لیے زجراً و توبیخاً (بطور ڈانٹ ڈپٹ) فاسق کا اطلاق ہوا۔ یہاں حقیقی فسق ہرگز مراد نہیں ہے اس لیے کہ سب صحابہ عادل اور ثقہ ہیں۔ ان سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے وعدے فرما رکھے ہیں۔ "وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" اور سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہو چکے ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔ اگر حقیقۃً فسق ہوتا تو اللہ پاک حقیقی فاسقوں سے راضی نہیں ہوتے۔ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ"۔ اکابر مفسرین نے یہی تشریح فرمائی ہے۔

وَنِعْمَةً ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
اور احسان سے ، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور اگر دو فریق مسلمانوں کے

اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ج فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى
آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو ، پھر اگر سرکشی کرے ان میں سے ایک دوسرے پر ،

فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ج فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا
تو تم سب لڑو اس چڑھائی والے سے ، یہاں تک کہ پھر آئے اللہ کے حکم پر ، پھر اگر پھر آیا تو صلح کرا دو ، ان کے

بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝
درمیان عدل کے ساتھ ، اور انصاف کرو . بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے .

آیت نمبر ۸ | مشکل الفاظ :- لَعَنِتُّمْ ۔ تم مشقت میں پڑ جاتے ، گنہگار ہوتے اور ہلاک ہو جاتے . لَاَثِمْتُمْ وَهَلَكْتُمْ .

تم میں اللہ تعالیٰ کے رسولؐ موجود ہیں . تمہارا کام ان کی بات ماننا ہے نہ کہ اپنا مشورہ منوانا ، بہت سی باتوں میں اگر تمہارا مشورہ چلنے لگے تو جھگڑے پیدا ہوں گے . کس کس کی بات مانی جائیگی . پس اپنی خواہشات کو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خواہشات کے تابع بنا دو .

الحمدللہ صحابہؓ کی یہ حالت نہ تھی کہ اپنی ہی بات منوائیں . اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایمان کو نہایت محبوب بنا دیا . کفر و نافرمانی کی نفرت ڈال دی . وہ ایسی بے ہودگی کے قریب بھی نہیں جاتے . یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں . یہی پکے مومن ہیں . یہ حق ڈھونڈنے والے . حق کہنے والے ، اور حق پر چلنے والے ہیں . صحابہؓ پر یہ خصوصی فضل اور احسان ہے .

لہ یہ صحابہ کرامؓ کی صفات ہیں . علماء نے لکھا ہے کہ اس امت میں صحابہؓ کا رتبہ سب سے بڑا ہے . ایک لمحہ کے لیے بھی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہو گئی . مابعد والوں میں سے کوئی بڑے سے بڑا بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا . نیز صحابہ کرامؓ کے باہمی جھگڑوں کا بغیر ضرورت شرعی بیان کرنا حرام ہے اور جن صحابہ کرامؓ میں باہم کوئی جھگڑا ہوا ہو ہمیں دونوں فریق سے حسن ظن رکھنا اور دونوں کا ادب کرنا لازم ہے . (باقی اگلے صفحہ پر)

آیت نمبر ۹ | مشکل الفاظ :- بغت - سرکش ہوئی - اِعۡتَدَتۡ - تفیٔ - واپس آجائے۔ ترجع
اَقۡسِطُوۡا - عدل کرو۔ اِعۡدِلُوۡا فِیۡ کُلِّ اُمُوۡرِکُمۡ - الۡمُقۡسِطِیۡنَ - الۡمُقۡسِط کی جمع ہے
انصاف کرنے والے، اَلۡعَادِلِیۡنَ

مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں اتفاقاً لڑائی کی نوبت آجائے تو صلح کرا دو۔
اگر ایک فریق صلح کو نہیں مانتا اور ظلم و تعدی ہی کرنا چاہتا ہے تو ایسے فریق سے لڑو یہاں تک کہ وہ
بغاوت سے باز آجائے۔ اور پھر ٹھیک عدل و انصاف کے ساتھ ان میں صلح کرا دو۔

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ

یہی بات ہے کہ مومن بھائی بھائی ہیں پس صلح کرا دو اپنے دو بھائیوں میں اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ

لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۰﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ

تم پر رحم کیا جائے۔ اے مومنو! نہ ٹھٹھا کرے کوئی قوم کسی دوسری قوم سے

عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا خَیۡرًا مِّنۡہُمۡ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُنَّ

ممکن ہے کہ وہ بہتر ہوں ان سے۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے۔ ممکن ہے وہ بہتر ہوں ان سے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ؎ اہل بیت اور صحابہؓ سے بدگمانی رکھنا، ان کو برا کہنا، ان پر تنقید کرنا قرآن مجید کی صریح مخالفت
اور شریعت الٰہیہ کی کھلی ہوئی بغاوت ہے۔ ایسے شخص کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔ (خلفائے راشدین، مولانا عبدالشکور لکھنوی) تبغیر یسیر
قرآن شریف کے کتاب اللہ ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دلائل نبوت کے چشم دید گواہ صحابہ کرامؓ خصوصاً مہاجرین
و انصار ہیں۔ انہوں نے اور ان کے تابعین نے تمام دنیا کے سامنے اس بات کی علانیہ شہادت دی کہ قرآن وہی کتاب ہے جس
کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ فرماتے تھے۔ اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کو ہم نے اپنے کانوں
سے سنا اور آپؐ کے معجزات اور دلائل نبوت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ظاہر ہے کہ جب کسی واقعہ کے چشم دید گواہ
مجروح کر دیئے جائیں تو وہ واقعہ مشکوک بلکہ واجب التکذیب ہو جاتا ہے۔" (حاشیہ بحوالہ مذکور صہ ۱۳)
انہی کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَ اَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ
وَ یُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ اُولٰٓئِکَ
حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۲﴾ (سورہ مجادلہ آخری آیت)

خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ

اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو ، اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ،

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ

بُرا نام ڈالنا گناہ ہے ایمان لانے کے بعد اور جو کوئی توبہ

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا

نہ کرے تو وہی ہیں ظالم اے ایمان والو ! اجتناب کرو (بچتے رہو)

مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ

بہت سی بدگمانیوں سے بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا اور بُرا نہ کہو پیٹھ پیچھے

بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ

ایک دوسرے کو کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ کھائے گوشت اپنے بھائی

مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

کا جو مردہ ہو، تم اسے ناگوار سمجھو گے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے ، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

آیت نمبر ۱۰ اِخْوَۃٌ - اَخٌ کی جمع ہے۔ بھائی ، یعنی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔ ایک دوسرے کے دشمن تو ہیں نہیں ۔ جب آپس میں لڑ پڑیں تو دوسروں کو تماشا نہیں دیکھنا چاہیئے ۔ بلکہ صلح کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیئے ۔ اور صلح میں بھی خوف خدا ملحوظ رہے ۔ کسی کی بے جا طرفداری نہ ہونے پائے ۔

آیت نمبر ۱۱ لَا يَسْخَرْ ۔ نہ ٹھٹھا کرے ۔ اَلسُّخْرِيَۃُ ، اَلْاِسْتِهْزَاءُ ۔ وَلَا تَلْمِزُوْا ۔ ہاتھ ، زبان آنکھ اور اشارے سے کسی کو عیب نہ لگاؤ ۔ قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ :- اَللَّمْزُ بِالْيَدِ وَالْعَيْنِ وَ اللِّسَانِ وَالْاِشَارَۃِ (حقانی) اَلْقَابٌ ۔ لقب کی جمع ہے ۔ یہاں سے مراد "لَقَبُ سُوْءٍ" ہے لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۔ ناگوار القاب سے مت پکارو ۔ لَا تَتَدَاعَوْا بِالْاَلْقَابِ الْمُسْتَكْرَهَۃِ ۔ کوئی قوم دوسری قوم سے اور کوئی شخص دوسرے شخص سے تمسخر نہ کرے ۔ تمسخر باہمی عداوت کی جڑ ہے ۔ اس لیے مردوں اور عورتوں کو استہزا سے روک دیا گیا ہے ۔ اور کس عجیب انداز سے روکا ہے ۔ ممکن ہے وہ بہتر ہوں ۔

اصل اعتبار تو خاتمہ کا ہے۔ ٹھٹھا کرنے والے مطمئن ہیں کہ ان کا انجام اچھا ہی ہوگا۔ بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو نہایت معزز سمجھ کر دوسروں کی ہنسی اڑاتے ہیں آخر کار ان کی سب عزتیں خاک میں مل جاتی ہیں اور بہت سے ہنسی کا نشانہ بننے والے انجام کار عزتیں حاصل کر لیتے ہیں۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے کو طعنے نہ دیئے جائیں۔ نہ بُرے القاب سے کسی کو پکارا جائے۔ یعنی چڑانے کے لیے برے نام مثلاً لنگڑا۔ بولا۔ گنجا۔ بھینگا۔ اندھا۔ کانا وغیرہ مت کہو گو یہ نقائص اس میں موجود ہوں۔ جو لوگوں کو ایسے برے ناموں سے پکارے بدتہذیب اور فاسق سمجھا جاتا ہے اندازہ کیجئے بجائے مومن کے لوگوں میں فاسق مشہور ہو جاتا ہے۔ ایمان کے بعد فسق کا اختیار کرنا کتنی بُری بات ہے پس بھائیوں کو بہتر لقب اور بہتر صفت اور بہتر نام سے پکارنا چاہیئے

آیت نمبر ۱۲ | مشکل الفاظ : لَا تَجَسَّسُوْا۔ مسلمانوں کے عیوب کے درپے نہ ہو۔ لَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِیْنَ۔

آپس میں ایک دوسرے سے بدگمانی نہ رکھو۔ بعض اوقات بدگمانی سے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں۔ کسی کے عیب تلاش نہ کرو۔ اور خواہ مخواہ کھود کرید بھی نہ کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو کسی پردہ پوشی کرے گا حق تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو غیبت یہ کہ ایسی بات کسی کی عدم موجودگی میں کی جائے کہ اگر وہ سن لے تو اسے ناگوار ہو۔ اگر عیب کی بات اس میں موجود ہے تو غیبت ہے ورنہ بہتان ہے۔ غیبت کی مذمت کو ایک مثال کے ذریعے بیان فرمایا گیا ہے۔ کوئی شخص چاہتا ہے کہ انسان کا گوشت کھائے۔ اور انسان بھی جبکہ بھائی ہو اور مرا ہوا بھی ہو؟ یقیناً ہر شخص اسے ناگوار سمجھے گا۔ اور ہر وقت، ہر حالت میں، اللہ سے ڈرتے رہو۔ جب خوف خدا ہو تو اپنے عیوب کی فکر لگ جاتی ہے اور آدمی دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے۔

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جب نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

(بہادر شاہ ظفرؔ)

احسانؔ دانش

ھدیۂ عقیدت

ہر بات میں ہو کیوں نہ حلاوت حضورؐ کی
اللہ کی زباں ہے فصاحت حضورؐ کی

ہے ذرّہ ذرّہ اُن کی تجلّی کا اک سُراغ
آتی ہے پھول پھول سے نکہت حضورؐ کی

اِک عالمِ دِگر ہے مسلماں کا ہر نَفَس
اعلان کر رہی ہے یہ ہجرت حضورؐ کی

پہچان لیں گے آپ وہ اپنوں کو حشر میں
غافل نہیں ہے چشمِ عنایت حضورؐ کی

اشکوں سے تر ہیں دامن و رومال و آستیں
اک گریہ گاہِ عشق ہے تُربت حضورؐ کی

آتے رہے ہیں راہنمائی کو انبیاءؑ
جاری رہی ہے رشد و ہدایت حضورؐ کی

ہیں آشنا حقائقِ ارض و سما سے آپ
اللہ رے حدود بصیرت حضورؐ کی

آنکھیں نہ ہوں تو خاک نظر آئے آفتاب
صدیق جانتے ہیں صداقت حضورؐ کی

کھولے ہیں مشکلاتِ جہاں نے کئی محاذ
کام آئی ہر قدم پہ حمایت حضورؐ کی

میری نظر میں مرشدِ کامل ہے وُہ بشر
تفویض کر سکے جو محبت حضورؐ کی

جو ہو گئے ہیں آپ کے، آپ اُن کے ہو گئے
عادت نہیں ہے ترکِ محبّت حضورؐ کی

تالیف ہو رہے ہیں دفاتر فراق کے
عنوان دے رہی ہے محبّت حضورؐ کی

انجم مثالِ نقشِ قدم ہیں جگہ جگہ
لے کر کہاں چلی یہ محبّت حضورؐ کی؟

یارو نہ اشکِ غم مرے پوچھو کہ ان دنوں
بخشی ہُوئی ہے مجھکو یہ دولت حضورؐ کی

چشمِ طلب میں کس کا اُجالا؟ حضورؐ کا!
دنیائے دل میں کس کی حکومت؟ حضورؐ کی

ہجرت کی رات خالقِ بحر و جبال نے
خود موت سے کرائی حفاظت حضورؐ کی

میں ہوں زبانِ ماہ و ثریّا سے آشنا
راتوں سنی ہے میں نے حکایت حضورؐ کی

پہلے سے سو گنا غمِ دوری ہے کیا کروں؟
لازم ہے حاضری کو اجازت حضورؐ کی

دل میرا خوفِ مرگ سے مطلق ہے بے نیاز
مَیں جانتا ہوں موت ہے سُنّت حضورؐ کی

اقرار ہے، نہیں کوئی اللہ کے سوا
اس قول کی سند ہے شہادت حضورؐ کی

آہستہ سانس لے کہ خلافِ ادب نہ ہو
نازک ہے آئینہ سے طبیعت حضورؐ کی

دیکھے بہت حسین اسی اِک اُمید پر
شاید کہ ہو کسی میں شباہت حضورؐ کی

چوما ہے اپنی آنکھوں کو رکھ رکھ کے آئینہ
جب بھی ہُوئی ہے مجھکو زیارت حضورؐ کی

در پر پڑے ہیں کوئی ہمیں کس لیے اُٹھائے؟
شکوہ حضورؐ کا نہ شکایت حضورؐ کی

محشر میں کاش مجھکو پکارے نہ صورِ حشر
میں کاش ہوں نہ وجہِ ندامت حضورؐ کی

گزری ہے مفلسی میں بڑی آبرو کے ساتھ
اللہ کا کرم ہے، عنایت حضورؐ کی

دانشؔ ہیں ہم فقیر ثنا خوانِ مصطفےٰؐ
ہے ہم قلندروں میں صدارت حضورؐ کی

درسِ حدیث

اچھے بُرے کی پہچان

حضرۃ مولانا الحاج السیّد حامد میاں دامت برکاتہم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلٰی نَاسٍ جُلُوْسٍ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِخَیْرِکُمْ مِنْ شَرِّکُمْ قَالَ فَسَکَتُوْا فَقَالَ ذَالِکَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا بِخَیْرِنَا مِنْ شَرِّنَا فَقَالَ خَیْرُکُمْ مَنْ یُّرْجٰی خَیْرُهٗ وَیُؤْمَنُ شَرُّهٗ وَشَرُّکُمْ مَنْ لَا یُرْجٰی خَیْرُهٗ وَلَا یُؤْمَنُ شَرُّهٗ (ترمذی شریف)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس جو بیٹھے ہوئے تھے تشریف لاکر کھڑے ہوگئے۔ پھر فرمایا کیا میں تم کو جو تم میں اچھے بُرے ہیں نہ بتلاؤں (کہ کون تم میں اچھا ہے کون بُرا) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاموش رہے۔ آپ نے یہی بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے سچے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بتلایئے ہم میں کون اچھا ہے کون بُرا ہے؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم میں بہتر وہ ہے جس سے بھلائی کی امید رکھی جائے اور اس کی طرف سے شر کا خطرہ نہ ہو۔ اور اطمینان ہو۔ اور تم میں بدترین شخص وہ ہے جس سے بھلائی کی امید نہ کی جائے اور شر کے بارے میں اطمینان نہ ہو۔

تشریح: جب آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِخَیْرِکُمْ مِنْ شَرِّکُمْ یعنی کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ تم میں اچھا کون ہے اور بُرا کون۔ تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ سن کر سناٹے میں آگئے۔ کسی کی ہمت نہ ہوئی۔ کہ عرض

کرے کہ جی ہاں بتایئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہی بُرا ہو اور کوئی بھی غیرت مند آدمی اپنی بُرائی کی تشہیر پسند نہیں کرتا۔ شریف آدمی نہ تو اپنی برائیوں کی تشہیر پسند کرتا ہے اور نہ خود دوسروں کی برائیوں کی تشہیر کرتا ہے۔ اور مسلمان پر لازم بھی یہی ہے کہ برائیوں کو چھپائے اظہار نہ کرے۔ خواہ اپنی برائیاں ہوں یا دوسروں کی۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ آدمی جس نے کسی مسلمان کے کسی عیب کو چھپایا تو ایسا ہے جیسا اس نے اس کو زندہ کر دیا۔ کیونکہ کچھ لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں انتہائی بے شرم اور بے حیا ہوتے ہیں اپنے عیوب اور گناہوں کو چھپانے کی کوشش ہی نہیں کرتے مثلاً کھلم کھلا شراب پیتے ہیں، سرِ عام جوا کھیلتے ہیں تو ایسے لوگوں کی بات اگر بیان بھی کی جائے یہ غیبت نہیں ہوتی۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے گناہ تو ہو جاتے ہیں مگر وہ اپنے گناہوں پر نادم و شرم سار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی برائیوں کو چھپانا چاہتے ہیں۔ ایسے آدمیوں کا عیب اگر معلوم ہو جائے تو حکم ہے کہ اسے ظاہر نہ کرو۔ اس کو بے شک سمجھاؤ، نصیحت کر لو مگر دوسروں کو ہرگز نہ بتاؤ۔ کیونکہ اپنی برائیوں کا اظہار انہیں پسند نہیں۔ اظہار و تشہیر سے انہیں دُکھ ہوگا، غیرت مٹے گی، بلکہ لوگوں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ عیب ظاہر ہو جانے کے بعد شرم کے مارے خودکشی کر لیتے ہیں۔ اس لئے ایسے لوگوں کے عیب کو چھپانا ایسی نیکی ہے۔ جیسے ان کو زندگی بخش دی۔ مؤخر الذکر دونوں قسم کے آدمیوں کی برائیاں ظاہر کرنا غیبت کہلاتی ہیں جو ایک سنگین جرم ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرو۔ اور اگر کسی کو کرتے دیکھو تو اس کو بھی روک دو اور فرمایا جو غیبت سے روکتا ہے اللہ کے ذمے ہے کہ اسے آگ سے آزاد فرما دے كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يُعْتِقَهٗ مِنَ النَّارِ۔

شریعت مطہرہ نے جس طرح غیروں کی برائیوں کے اظہار و تشریح سے روکا ہے، اسی طرح اپنی غلطیوں اور بُرائیوں کی تشہیر سے بھی منع فرمایا ہے تاکہ برائی نہ پھیلے، نہ کانوں میں بات پڑے نہ دل میں اُترے حدیث شریف میں ہے کہ اپنے اندر کی خرابی بھی ظاہر نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ جب خدا تعالیٰ نے تمہارے پردے کو رکھا ہے تو تم کیوں کفرانِ نعمت کرتے ہو۔ یعنی اللہ نے تو احسان کیا ہے کہ تمہارے گناہوں کو چھپایا ہے۔ تم کیوں ظاہر کرتے ہو۔ کیوں کفرانِ نعمت کے مرتکب بنتے ہو۔ (باقی ص ۵۶ پر)

مرحبا اے زائرِ بیت الحرم

مرکزِ علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند کے شعبۂ محاسبی کے ناظم محترم و کرم حضرت مولانا عبد الواحد صاحب آباد مدظلہ، ان دنوں لاہور تشریف لائے ہوئے ہیں۔ گزشتہ روز تھوڑی دیر کے لئے آپ جامعہ مدنیہ میں بھی رونق افروز ہوئے اور جامعہ کا معائنہ فرمایا۔ اس کی تعمیر و تعلیم کو بے حد سراہا۔ مخدومنا المکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا الحاج السیّد حامد میاں دامت برکاتہم کی مساعیٔ جمیلہ اور دینی خدمات کی بہت تعریف فرمائی۔ اور آپ کی حج پر روانگی کے متعلق ذیل کے یہ چند اشعار بھی عنایت فرمائے — (ادارہ)

مرحبا صد مرحبا، اے زائرِ بیت الحرم
حجّ تو مبرور ہم گردد علیٰ وجہِ الاتم
چہرۂ تو روشن از انوارِ ربِ ذو الجلال
قلب تو معمور از حُبِّ رسولِ محتشمؐ
دیدنِ آں روضۂ اطہر مبارک باشدت
حجّ تو مقبول اے شیخ الحدیثِ ذی ہمم

ایں دُعائے احقرِ آباد باشد مستجاب
در جنابِ ایزدی بارحمت و فضل و کرم

○

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے پاکیزہ حالات

"حیاۃ شیخ الاسلام"

حضرۃ علامہ مولانا سید محمد میاں مدظلہم

قسط : ۳

تعمیر مکان میں سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اتباع

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی کا بیان ہے کہ جب یہ خاندان مدینہ طیبہ پہنچا، تو ایک مدنی صاحب نے ایک مکان رہائش کے لیے دیدیا تھا۔ لیکن جب مدینہ طیبہ میں مستقل قیام کا ارادہ ہُوا۔ تو شہر سے باہر ایک قطعہ زمین لے لیا گیا۔ عورتوں بچوں اور مردوں نے مل کر اپنے ہاتھ سے اینٹیں پاتھیں اور چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں تعمیر کی گئیں۔ جن کی چھت اتنی نیچی تھی کہ چار پائی پر کھڑے ہونے سے سر میں لگتی تھی۔ اس طرح رہائش کے سلسلہ میں بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر عمل کی سعادت میسر آئی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا عبدالحق صاحب مدنی کا بیان ہے کہ اس ابتلاء کے بعد ہم نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت شیخ مدظلہ العالی اور آپ کے بھائیوں نے ایک عالی شان مکان مدینہ طیبہ میں حرم اقدس کے قریب تعمیر کرایا۔

اس وقت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کے کچھ حالات تذکرۃ الرشید جلد دوم مصنفہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ کے الفاظ میں پیش کردیں۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر

جمعیۃ علماء کے شدید مخالف تھے۔ اس بناء پر آپ کی شہادت بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا الحاج المولوی حسین احمد صاحب مدنی مدت فیوضہ، نے ۱۳۱۶ھ میں حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب سے بیعت ہو کر والد اور برادران کے ہمراہ جد امجد کے بلدہ طیبہ (مدینہ منورہ) میں اقامت اختیار کی۔ مکہ معظمہ پہنچ کر حسبِ اجازت امام ربانی قدس سرہٗ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب سے رجوع کیا۔ اور اذکار تعلیم فرمودہ قطب عالم پر بھی بہمت تمام کاربند رہے۔ اس زمانہ میں جو کچھ وارداتِ عجیبہ وکیفیاتِ غریبہ ظاہر ہوئیں ان کی اطلاع گنگوہ میں آستان پر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۳۱۸ھ میں حضرت کا والا نامہ پہنچا کہ چند روز کے واسطے گنگوہ آکر مجھ سے مل جاتے تو بہتر ہوتا۔ اس فرمان والا شان پر مطلوب بن کر باوجود تنگدستی و بے سروسامانی کے مراجعتِ ہندوستان کا تہیہ کر لیا۔ باپ کا باقتضائے محبت جی چاہا کہ بھائیوں میں سے کوئی ایک رفیقِ سفر ہوتا تو اچھا تھا۔ چھوٹے[1] بھائی مولوی سید احمد صاحب جو اُن کے دو چار مہینے آگے پیچھے سلسلہ خدام میں داخل ہوئے تھے۔ غلبۂ شوق کے سبب فرضی ضروریات ذاتی و خانگی قائم کر کے باپ سے ہمراہی برادر کی اجازت بھی لے چکے تھے۔ مگر قدرت کو منظور ہی کچھ اور تھا۔ بڑے بھائی مولانا صدیق صاحب درپردہ خفیہ انتظام کر کے چھپ کر چند روز پہلے روانہ ہو لیے۔ جس کی اطلاع بارہ گھنٹے بعد قریب مغرب ہوئی۔ مجبوراً مولانا سید احمد صاحب کو ارادہ فسخ کرنا پڑا اور مولانا حسین احمد صاحب تنہا روانہ ہوئے۔ جدّہ میں دونوں بھائی مل گئے۔ اور حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر گنگوہ پہنچے۔ چند روز گذرے تھے کہ امام ربانی نے ایک ایک جوڑا یعنی ملبوس کرتہ اور پاجامہ دونوں بھائیوں کو عطاء فرمایا۔ چونکہ اسمیں ٹوپی یا عمامہ نہ تھا۔ اس لیے دونوں میں سے کسی صاحب نے دبی زبان سے عرض کیا کہ ارشاد ہو تو ہم خدام اپنا اپنا عمامہ حاضر کریں۔ اپنے دستِ مبارک سے عطاء فرما دیا جائے۔ یہ سن کر حضرت نے سکوت فرمایا اور بمقتضائے ادب دونوں بھائی عطیۂ قطب العالم کو سر آنکھوں پر رکھ کر شکریہ ادا کرتے ہوئے اٹھ گئے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد دونوں صاحب بُلائے گئے۔ اور حکم ہُوا کہ اپنے اپنے عمامے

---

[1] چھوٹا بھائی لکھنا مسالغت ہے۔ مولانا سید احمد صاحب حضرت سے ۱۲ سال بڑے تھے۔ رحمہ اللہ۔

لے آؤ۔ اور جب دونوں صاحبوں نے اپنے عمامے حاضر کئے۔ تو حضرت امام ربانی نے اپنے دست مبارک سے دونوں کے سروں پر باندھ کر ارشاد فرمایا کہ جانتے ہو کیا ہے؟ مولانا محمد صدیق صاحب نے دبی زبان سے عرض کیا کہ "دستار فضیلت" ارشاد ہُوا "دستارِ خلافت"۔ امام ربانی قدس سرہٗ کی قولی و فعلی خلافت کے مجموعہ کے مثال ہیں۔ آپ کے خلفاء کے اندر صرف یہی دو حضرات پیش کیے جا سکتے ہیں جن کے کمالاتِ علمیہ و عملیہ اسی سے ظاہر ہیں۔ کہ مدنی مہاجر اور بطحائی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پڑوسی ہیں۔

مولانا حسین احمد صاحب کا درس بحمد اللہ حرم نبوی میں بہت عروج پر ہے اور عزت و جاہ بھی حق تعالیٰ نے وہ عطاء فرمایا ہے کہ ہندی علماء کو کیا معنیٰ یمنی اور شامی بلکہ مدنی علماء کو بھی وہ بات حاصل نہیں ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

آپ سرتاپا خلق۔ مہمان نواز۔ غیور۔ باحیا اور بعض ان صفاتِ حمیدہ سے متصف ہیں جن پر دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے (ص ۱۵۱، ۱۵۹ تذکرۃ الرشید)

مختصر یہ کہ زائد سے زائد ۲۳ سال کی عمر ہے کہ چشمۂ رشد و ہدایت خود سے ساقی کو بلا کر خلافتِ صادقہ کا خلعت عنایت فرما دیتا ہے۔ زہے قسمت۔

اس سفر سے واپسی کے بعد ۱۳۲۶ھ تک مسلسل جوار رسول اللہ علیہ وسلم میں قیام رہا۔ حرم پاک میں حلقۂ درس روز افزوں ترقی کر رہا تھا۔ اور آپ صحاح ستہ اور تفسیر اور فقہ کی بڑی بڑی کتابوں کے تقریباً ۱۴، ۱۵ سبق روزانہ پڑھاتے تھے۔ نمازِ صبح کے بعد سے سلسلۂ درس شروع ہو کر عشاء تک رہتا۔

آپ کی شہرت عرب سے تجاوز کر کے دیگر ممالک تک پہنچ چکی تھی۔ اور "شیخ الحرم" کے خطاب سے آپ معروف ہو گئے تھے۔ ۱۳۲۶ھ میں آپ دوبارہ ہندوستان تشریف لائے۔ جمعیۃ الانصار مؤتمر الانصار اور دارالعلوم کا جلسۂ دستار بندی آپ کی جدوجہد کے رہین منت تھے۔

تین سال بعد آپ دوبارہ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ اگلے سال یعنی ۱۳۳۰ھ میں آپ دوبارہ ہندوستان تشریف لائے۔ اور چند ماہ قیام فرما کر واپس مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ اس موقع پر یہ تنبیہ کر دینی مناسب ہے کہ یہی وہ زمانہ ہے جبکہ انقلاب کی تجاویز ہندوستان میں شد و مد سے جاری ہیں۔ اور

جنگ یورپ کا آغاز ہو رہا ہے۔

۱۳۳۳ھ میں سیدنا حضرت شیخ الہندؒ بھی ہندوستان سے حجاز تشریف لے گئے۔ فراغتِ حج کے بعد ۱۳۳۴ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اسی سال جمال پاشا، انور پاشا مرحوم دربارِ رسالت میں (مدینہ منورہ) حاضر ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد" شریف حسین" نے ترکوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز جو ہندوستانی سی آئی ڈی اور ہندوستانی پولیس کی دوا دوش سے بچ کر حرمِ اطہر مدینہ طیبہ میں پہنچ گئے تھے۔ اب برطانیہ کے نئے وفادار اور ترکوں کے "باغی نمک خوار" کے قبضہ میں تھے۔ بہانہ کے لیے ترکوں کے فسق وکفر کا فتویٰ بھی سامنے آگیا تھا۔ جو شریف کے ایماء سے شریف پرست علماء نے مرتب کیا تھا۔ اور حضرت شیخ الہندؒ نے اس کو حقارت اور نفرت کے ساتھ مسترد فرما دیا تھا۔

جنرل میکموہن اور کرنل لارنس کے افسوں سے فریب خوردہ شریف حسین کب برداشت کر سکتا تھا کہ اس کے جدید ولیٔ نعمت (برطانیہ) کا باغی برطانوی ایجنٹوں کے حوالہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ شب یک شنبہ کو شریف حسین نے حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ العزیز، مولانا عزیر گل صاحب، مولانا حکیم نصرت حسین صاحب کوڑوی رحمہ اللہ اور مولانا وحید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اس وقت شریف کی رعایا تھے۔ ان پر حکومت برطانیہ کی طرف سے کوئی الزام بھی نہ تھا۔ حجاز میں آپ کے تعلقات بھی بہت وسیع تھے۔ اور خود اس نوزائیدہ، نیم آزاد شریفی حکومت کے ارکان حضرت موصوف کا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ باوجودیکہ دوسرے انگریزوں کو بُرا کہنے کے جرم میں شریفی حکومت نے آپ کو حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری سے پہلے ہی ۲۲ صفر ۱۳۳۵ھ (روز دو شنبہ) کو گرفتار کر لیا تھا۔ مگر پھر بھی ہمدردی کے نمائشی دعویداروں نے آپ کی رہائی کی جدوجہد کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ لیکن وہ حسین جو ملوکانہ ظلم و استبداد کے شہید اعظم (حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما) کا سچا وارث۔ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب

کا سچا جانشین ہونے والا تھا۔ اس کی صداقت تاب، حق پرست فطرت ان بزدلانہ ہمدردیوں اور ان ذلت آمیز پیشکشوں کو کب نظر میں لاسکتی تھی۔ البتہ آپ نے ان تمام ہمدردیوں اور تعلقات کے مظاہروں سے صرف اپنی ایک تمنّا کو پورا کرنا چاہا۔

وہ تمنّا کیا تھی؟ — امتحان اور ابتلاء کے اس نازک ترین دور میں۔

حضرت شیخ الہندؒ کی رفاقت اور غربت و پیرانہ سالی کی اس صبر آزما منزل میں راحت رسانی کی انتہائی جدوجہد۔ آپ اس آرزو میں کامیاب ہوئے۔ مدبرینِ حکومت شریفی نے خیال کیا کہ

افعی کشتن و بچۂ افعی نگاہ داشتن کار دانشمندانہ نیست

بہتر صورت یہی تھی کہ اس متاعِ گراں مایہ کو آستانۂ انگریز کی نذر کر دیا جاتا۔ چنانچہ ارکانِ دولت زوال مدار "حکومت شریفی" نے حضرت مولانا حسین احمد صاحب کو بھی جدہ پہنچا دیا۔ اور برطانوی دوستی کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہونے کے لیے راستہ صاف کر لیا۔

والد ماجد اور برادران محترم کو ہندوستان یعنی غنیم کے ملک کے باشندہ ہونے کے جرم میں نیز کچھ غلط رپورٹوں کی بنا پر حکومت ترکی ایڈریانوپل میں نظر بند کر چکی تھی۔ حضرت والد ماجد اور برادرِ بزرگ مولانا محمد صدیق صاحبؒ اسی زمانۂ حراست میں وفات پا گئے۔

بقول حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی والد ماجد کو دیارِ حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مفارقت کا وہ رُوح فرسا اور جانکاہ صدمہ ہوا جس کو وہ برداشت نہ کر سکے۔

اہلیہ محترمہ اور لختِ جگر جو مدینہ طیبہ میں رہ گئے تھے انقلابی مصائب اور امراض وغیرہ میں مبتلاء ہو کر واصل بحق ہوئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ——

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا
حوالہ ضرور دیجیے۔
(ادارہ)

مالِ محمود اور مالِ مذموم

دارلاسباب دنیا میں انسان کو وہ چیز بہت زیادہ محبوب ہوتی ہے جس کے ذریعہ اس کے سارے کام بآسانی ہوں، اور وہ مال و دولت ہے۔ دنیا کے سارے کام اس کے گرد گھومتے ہیں، اس کے ذریعہ تقریباً ہر کام بسہولت اور جلدی ہوجاتا ہے، دنیا میں تمام خواہشات اس کے ذریعہ جلد پوری ہوجاتی ہیں، اس لئے انسان کو اس (مال و دولت) سے بہت محبّت ہوتی ہے، ہر وقت اس کے کمانے اور جمع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے محفوظ رکھتا ہے، مال فی نفسہٖ بُری چیز نہیں، اس کا استعمال جیسے ہوگا ویسے ہی اس کا حکم ہوگا۔ اگر دولت خدمتِ اسلام کے لئے استعمال ہو تو پھر یہ بُری چیز نہیں بلکہ مُبارک اور محمود ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی تعالیٰ عنہ، وغیرہ حضرات کے اموال جو اسلام ہی کے لئے خرچ ہوئے اور اور انہوں نے اس کے ذریعہ حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی۔

ہاں اگر مال کا استعمال غلط طرح ہو مثلاً شراب نوشی، رشوت، زناکاری اور دیگر ناجائز امور پر صرف کیا جائے اور زکوٰۃ نہ ادا کی جائے، مستحقین کی امداد نہ کی جائے، پڑوسیوں کا خیال نہ رکھا جائے، امانت واپس نہ کی جائے، غرضیکہ ناجائز طرح سے کمایا جائے اور ناجائز طرح سے خرچ کیا جائے تو ایسا مال وبال بن جاتا ہے۔ اور یہ تمام خرابیاں (بخل، خیانت وغیرہ)، مال کی محبّت کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ اس لئے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بارہا انسان کو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ مال کی محبت دل سے نکال دو، تاکہ وہ تمام خرابیاں جاتی رہیں جو مال کی محبّت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

انسان کو اگر مال و دولت سے محبّت ہو تو وہ مال غلط استعمال کرتا ہے، اور غلط ذرائع سے کماتا ہے، اگر اس کو خدا اور رسول ؐ سے حقیقی محبت ہو تو وہ مال ..... خدا اور رسول ؐ کے منشاء کے مطابق کماتا اور خرچ کرتا ہے۔ آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز سے روکا ہے وہ مال کی محبّت ہے، مال کمانے سے منع نہیں فرمایا، بلکہ کمانے کے جائز طریقے خود بتلائے ہیں، بعثت سے پہلے آپؐ خود بھی تجارت فرماتے

رہے اور بڑا نفع حاصل کیا۔ جو روایت آج بیان کرنی تھی یہ اس کی تمہید ہوئی، روایت میں ارشاد ہے:۔
یقول العبد مالی، مالی، یعنی بندہ کہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے، یہ میرا مال ہے"۔ و ان مالہ من مالہ
ثلث۔ حالانکہ جو کچھ اسے حاصل ہے اس میں سے اس کا صرف تین طرح کا مال ہے (۱) ما اکل فافنی
یعنی جو کھالے اور اُسے فنا کردے۔ فنا کا مطلب یہ ہے کہ صرف کھایا ہی نہیں بلکہ ہضم بھی کرلیا، اور جو کھایا نہیں
یا کھایا تو ہے مگر اسے ہضم نہیں کرسکا، تو یہ مال اس کا نہیں ۲ و لبس فابلی یا پہنے اور پہن کر پرانا کردے۔
یہاں بھی پرانے کرنے کا مطلب یہی ہے کہ صرف پہننے سے اس کا مال نہیں بن جاتا، بلکہ پرانا کرنے سے۔ اگر کوئی
نیا کپڑا پہن لے تو جب تک وہ پرانا اور رفنا نہ ہوگا اس کا نہیں کہلایا جاسکتا۔ معلوم نہیں کہ یہ کپڑا وہ خود اتارے
گا یا دوسرے اتاریں گے۔ یعنی یہ خبر نہیں کہ وہ اس کپڑے کے ختم ہونے تک زندہ بھی رہے گا یا پہلے ہی وفات
پاجائے گا۔ ہاں اگر پہنتے پہنتے اس کے پاس ہی پرانا ہوگیا تو پھر یہ واقعی اس کا مال تھا۔ حضور صلی اللہ وسلم کی خدمت
میں ایک بچی ام خالد لائی گئی۔ اس کے سر پر دوپٹہ تھا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو دعا دی کہ پرانا کرتی رہے۔
پرانا کرتی رہے۔ یعنی کپڑے پرانے کرتی چلی جائے۔ مقصد یہ ہے کہ تو زیادہ عرصہ تک زندہ رہے۔ آگے ارشاد ہے
او اعطی فاقتنی۔ یا خدا کی راہ میں دے دے اور ذخیرہ بنادے جو اُسے آخرت میں کام آئے۔ پھر فرمایا:۔
و ما سوی ذالک فھو ذاھب و تارکہ للناس یعنی جو کچھ ان تین کے سوا ہے تو اس کا یہ حال ہے
کہ یہ شخص تو چلا جائے گا اور جو جمع کیا ہے وہ لوگوں کے لئے چھوڑ جائے گا۔ گویا صرف تین طرح کا مال حقیقتاً اس
کا ہے اور وہ اسے مال کہہ سکتا ہے (۱) جو کھا کر ہضم کرلے (۲) جو پہن کر پرانا کردے (۳) جو خدا کی راہ میں صرف
کردے اور پھر نام نہ لے، بلکہ اسے خزانہ کی طرح چھپا کر اپنے اور خدا کے درمیان رکھے — ان تین طرح کے
علاوہ مال کو دوسرے لوگ خرچ کریں گے۔ وہ چھوڑ کر چلا جائے گا۔ ایک روز یہی بات نہایت خوب صورتی سے
سمجھانے کے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رض سے ارشاد فرمایا، جس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رض
ہیں، فرمایا ایکم مال وارثہ احب الیہ من مالہ۔ یعنی تم میں سے کون ہے۔ جسے اپنے
وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ (یعنی یہ چاہتا ہو کہ میرے پاس مال نہ ہو اور وارث کے پاس
ہو) صحابہ رض کرام نے عرض کیا قالوا یا رسول اللہ ما منا احد الا مالہ احب الیہ من مال وارثہ

یعنی ہم میں تو کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو۔ آپؐ نے فرمایا قال رسول اللہ فان مالہ ما قدم و مال وارثہ ما اخر۔ فرمایا کہ اپنا مال تو وہ ہے جو پہلے بھیج دے اور اپنے وارث کا مال وہ ہے جو بعد کے لئے چھوڑ جائے۔

مُراد یہ ہے کہ جسے اپنے مال سے محبت ہے، اُسے چاہیئے کہ وہ آگے کے لئے بھیج دے وہی حقیقت میں اس کا ہوگا۔ اور جو رہ جائے گا وہ ورثار کا ہوگا۔ غرضیکہ جو مال شریعت کے مطابق جمع کیا جائے اور شریعت کے مطابق خرچ کیا جائے وہ اچھی چیز ہے۔ قرآن کریم میں ایسے مال کو اور دولت کو فضل خَیر جیسے اچھے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور جو دولت غیر شرعی طور پر کمائی جائے اور غیر شرعی طور پر صَرف کی جائے وہ دولت و مال مذموم اور ملعون ہے۔

بقیہ صفحہ : ۴۷

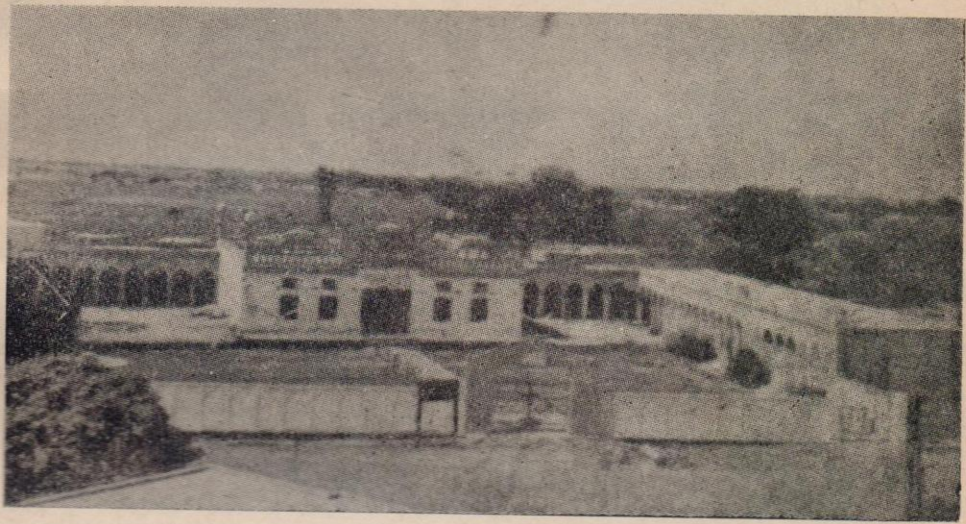
اس لئے جب حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ سے فرمایا کہ تمہیں بتاؤں کہ تم میں کون بُرا اور اچھا کون ہے تو صحابہ کرام گھبرا گئے۔ اور کسی نے بھی شرم کے مارے دریافت نہ کیا۔ آپؐ نے پھر دو بارہ اور سہ بارہ ارشاد فرمایا جس سے ایسا اندازہ ہوتا تھا کہ گویا آپ کی یہ خواہش ہے کہ صحابہؓ پوچھیں۔ حضور اکرم (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خواہش کو بھانپتے ہوئے صحابہؓ نے دریافت کیا تو ارشاد فرمایا، خَیْرُکُمْ مَنْ یُرْجیٰ خَیْرُہٗ وَ یُؤْمَنُ شَرُّہٗ بہترین آدمی وہ ہے جس سے بھلائی کی توقع کی جائے اور اس کے شر سے اطمینان حاصل ہو۔ اور وَشَرُّکُمْ مَنْ لَا یُرْجیٰ خَیْرُہٗ وَیُؤْمَنُ شَرُّہٗ یعنی بدترین شخص وہ ہے کہ جس سے خیر کی توقع نہیں اور اس کے شر سے امن حاصل نہیں۔ گویا اچھا اور بُرا معلوم کرنے کی ایک کسوٹی اور ایک پیمانہ بتلا دیا جس سے ہر آدمی کو جانچا جا سکتا ہے۔

ہر آدمی کو چاہیئے کہ وہ کسی کو نہ ستائے، کسی کی بُرائی ظاہر نہ کرے جہاں تک ہو سکے بندگانِ خدا کو فائدہ پہنچائے تاکہ اس کا شمار بہترین لوگوں میں ہو۔ اگر لوگ ایک دوسرے کو ستانا چھوڑ دیں، غیبت اور چغل خوری سے اجتناب کرنے لگیں، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، تو ہر جگہ امن و امان ہوگا۔ لوگوں کی عزت محفوظ ہوگی، جان محفوظ ہوگی اور ہر ایک اطمینان سے زندگی گزارے گا۔ اللہ تعالٰے ہمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی نصیب فرمائے۔ آمین ۰

Regd. No. L. 7878

ماہنامہ انوارِ مدینہ لاہور
جامعہ مدنیہ ○ کریم پارک ○ راوی روڈ ○ لاہور، پاکستان

جامعہ مدنیہ کے دو عمومی منظر





جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور
فون : ۶۲۹۳۲ مستثنیٰ از انکم ٹیکس زیر دفعہ ۱۵ ڈی